فهدى الله الذين آمنوا لما اختلفوا فيه من الحق باذنه
والله يهدي من يشاء
الى صراط مستقيم

کشف الاختلاف

یعنی

مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کے دو خط
جن میں مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے و خواجہ کمال الدین صاحب بی اے
کی قادیان سے علیحدگی کے حقیقی اسباب قلمبند ہیں

فروری سنہ ۱۹۲۰ء
میں
باہتمام شیخ عبدالرحمن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر مطبع ضیاء الاسلام
قادیان میں چھپکر شائع ہوا

فہرست مضامین دربارہ غیر مبایعین

مندرجہ رسالہ تشحیذ الاذہان

جو احباب غیر مبایعین کے متعلق بہترین لٹریچر اپنے پاس اضافہ معلومات وازدیاد ایمان واتمام حجت مخالفین کے لئے رکھنا چاہیں۔ وہ مندرجہ ذیل رسالے منگوا کر ایک جلد بندھا لیں۔ قیمت فی رسالہ ۳/ ۰

۱۔ چند سوالات کے جواب — مارچ ۱۹۱۴ء

۲۔ پسر موعود مصلح موعود — مئی ۱۹۱۴ء

۳۔ خلیفۂ وقت کی بیعت ضروری ہے / مسئلہ نبوت / خلافت علی منہاج النبوۃ — جون ۱۹۱۴ء

۴۔ قدرت ثانیہ / امر خلافت — جولائی ۱۹۱۴ء

۵۔ نشان فضل عمر — اگست ۱۹۱۴ء

۶۔ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام / مولوی محمد علی کا مذہب / مسیح موعودؑ کے خلاف — ستمبر ۱۹۱۴ء

۷۔ نبوت احمدیہ — اکتوبر ۱۹۱۴ء

۸۔ پیشگوئی اسمہ احمد / فتاویٰ نوریہ — نومبر ۱۹۱۴ء

۹۔ تصدیق خلافت احمدیہ — دسمبر ۱۹۱۴ء

۱۰۔ مسئلہ نبوت احمدیہ / تمام حوالے یکجا — فروری ۱۹۱۵ء

۱۱۔ یوسف قادیانی — مارچ ۱۹۱۵ء

۱۲۔ النبوۃ فی الاسلام کی تمہید پرداد (ب) [illegible] طلب کا حل — اپریل ۱۹۱۵ء

۱۳۔ رحمدین عبادہ / سوالات دربارہ نبوت مسیح موعودؑ کا جواب — مئی ۱۹۱۵ء

۱۴۔ نبی کس کو کہتے ہیں / بعض افراد کے معنے ایک فرد / خواجہ صاحب کے مشورہ کی قدر / قادیان کی فضیلت کا لاہور سے مقابلہ — جولائی ۱۹۱۵ء

۱۵۔ ابن مریم کا پہلا خلیفہ پطرس — اگست ۱۹۱۵ء

۱۶۔ کامل نبی۔ / عقائد ہم نے بدلے یا مولوی محمد علی نے — ستمبر ۱۹۱۵ء

۱۷۔ غیر احمدی کا جنازہ / مسئلہ کفر کے متعلق بات / کامل نبی کون ہے / میں کون ہوں — نومبر ۱۹۱۵ء

۱۸۔ نبوت مسیح موعود پر قرآنی آیات سے بحث / غیر مبایعین سے یکسالہ بحث کا فیصلہ / پہلو مجدد ہی منواؤ۔ — دسمبر ۱۹۱۵ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

مولوی سید سرور شاہ صاحب کا خط
مولوی محمد علی صاحب کے نام

السّلام علیکم ۔ جناب مولوی صاحب میں اِس بات کا ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا ۔ کہ میرے دل میں آپ کی محبت اور عزت و عظمت رہی ہے ۔ اور جب سے یہ اختلاف شروع اور ظاہر ہوا ۔ تو یہ محبت مجھے بار بار اس بات پر آمادہ کرتی تھی کہ میں آپ کی خدمت میں رفع خلاف کی نسبت ضرور کچھ عرض کروں لیکن جب میں یہ دیکھتا تھا کہ ایک طرف تو جناب بذریعہ تحریر قوم کو اپنی بات کی طرف دعوت دے چکے ہیں ۔ اور پھر بڑے بڑے لوگ آپ کی دعوت میں شریک بلکہ اصل محرک اور برانگیختہ کرنیوالے ہیں پھر ساتھ ہی میں یہ بھی بخوبی جانتا تھا کہ جناب کی زندگی نازدارنہ میں گذری ہے ۔ اور عموماً ایسے اشخاص کو اپنی شان کے خلاف دیکھنا بہت جلد اور ایسا سخت رنجیدہ کر دیتا ہے کہ وہ اس رنجیدہ امر کے مقابلہ میں بڑے نقصانوں کو برداشت کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں ۔ اور یہ طبعی امر ہے ۔ نہ اسمیں توہین ہے اور نہ بدظنی یا اشتعال دلانا ہے ۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں جب حضرت حکیم الامۃ رضؓ نے کوئی ایسی بات کی ۔ تو بعض ایسے احباب نے اس کو اپنی شان کے خلاف خیال کر کے موںھ پر کہہ دیا کہ ہم ایسا درس نہیں سُن سکتے ۔ پھر سالہا سال وہ درس قرآن میں نہ آئے ۔ اسی طرح بعض اوقات ایسی باتوں سے وہ مسیح موعود کی صحبت

اور خلیفۃ المسیح کی صحبت اور دارالہجرت کو چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ اور پھر ذی وجاہت احباب حضرات کی کوشش سے رُکے۔ اور اس موقعہ پر ایسے احباب کی کوشش بھی آپ کے موافق اور ہمارے منشاء کے خلاف ہی تھی۔ تو ان وجوہات سے میں عرض پر جرأت تو نہ کر سکا۔ لیکن یہ تڑپ دن بدن زائد ہی ہوتی گئی۔ تو اب جب میں نے دیکھا کہ رنج بہ کچھ زائد دن گذر گئے ہیں۔ اور جناب ان محرکین سے بھی کچھ دن علیحدہ ہیں۔ تو اب مجھ سے نہ رہا گیا۔ کچھ مختصراً عرض کرتا ہوں:۔

مولانا! میں بحث میں نہیں پڑتا۔ اور نہ کوئی فتویٰ لگاتا ہوں۔ البتہ دو باتیں عرض کرتا ہوں۔ اوّل یہ کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پہلے بھی ایسے اختلاف ہوتے رہے ہیں۔ اور ہر ایک فریق کا یہی دعویٰ رہا ہے کہ ہم حق پر ہیں اور مقابل باطل پر۔ لیکن باطل اس سے حق نہیں ہوا۔ اور نہ اس سے وہ لوگوں پر چھپا۔ اور نہ اس کے پرستار خداوند تعالیٰ کی لعنت و غضب اور عذاب سے بچ سکے۔ اور باوجود ان کے دعویٰ حقانیت کے دنیا ان کو باطل پرست ہی کہتی ہے۔ کیا اپنے وقت میں امیر معاویہ اور ان کا وہ بیٹا جس کی نحوست نے اپنی زندگی میں ولی عہد کے لئے بیعت لینے اور محض اپنے خیال سے ولی عہد بنوانے کی کوشش کرائی اپنے وقت میں بڑے معزز اور کامیاب اور مدعی حقانیت نہ تھے۔ پر جو حقیقت اور دنیا کا فتویٰ ہے۔ وہ آپ پر مخفی نہیں کیا خلیفۃ المسیح اپنی اخیر عمر میں بار بار آپ کو یہ نہیں فرماتے رہے کہ یہ لوگ بہت برے ہو گئے ہیں۔ اور خصوصاً یزید کی حد سے زیادہ آپ خرابی بیان فرماتے اور بارہا یہ کہتے ہوئے رو پڑتے کہ یہ بہت ہی خبیث ہوا ہے کہ اس نے بڑی پاک نسل کی مخالفت کی ہے۔ بلکہ بار بار یہ بھی فرماتے کہ اس کے متعلق ضرور نوٹ لکھنا۔ اسی طرح اور مخالفت کرنیوالوں کے حالات ہیں۔ مولوی صاحب! آپ ہزار وجوہ پیش کریں۔ اور ہزاروں آپ کے ساتھ بھی ہو جائیں۔ اور دنیوی عزت بھی بہت مل جائے۔ اور بڑے خطاب اور القاب بھی حاصل ہو جائیں۔ لیکن اس میں ذرہ بھر بھی شک نہیں کہ اس اہل بیت کے ساتھ مخالفت ہوئی اور ضرور ہوئی۔ اور نہایت سخت ہوئی۔ جس کی نسبت کثرت کے ساتھ اور بار بار خدا کے مسیح کو یہ الہام ہوا۔ اور ہم نے اور آپ نے سُنا۔ یہاں تک کہ میں نے خود خدا کے مسیح کو یہ کہتے ہوئے

سُنا کہ یہ الہام بہت ہی کثرت کے ساتھ ہُوا کہ انی معک و مع اھلک۔ رب العالمین جس کی معیت میں ہو۔ مولانا! اس کی مخالفت کا خیال لعنت کے نقشہ کو سامنے کر دیتا ہے اور مومن کے دل کو ہلا اور بدن کو لرزا دیتا ہے۔

مولانا! مباحثات میں الہام کے اور معانی بھی بڑی جرأت اور صفائی سے ہو سکتے ہیں اور اس کی زد سے بچنے اور باہر رہنے کے لئے عجیب و غریب حجت بازی ہو سکتی ہے اور ان سے کوئی مقابل پر فتح اور دل کی تسلی اور بھلاؤ کوئی حاصل کر لے۔ پر خدا کی لعنت اور عذاب سے ہرگز ہرگز نہیں بچا سکتے۔ امیر معاویہ کی طرف سے بھی تقتلک الفئۃ الباغیہ کی خدا کے برگزیدہ بندے کے قتل کے بعد جب لوگوں نے اس صریح نشان کے ساتھ ان کو ملزم کرنا چاہا۔ تو یہی عجیب و غریب توجیہ بیان ہوئی کہ قتل کرنیوالا تو وہ گروہ ہے جو میدان جنگ میں لے آیا۔ پر ان باتوں نے کچھ فائدہ نہ دیا ہے نہ دیگی۔ مولانا! پہلے بھی جو راست بازوں کی ان اہل بیت کی مخالفت کرتے رہے۔ جنکی معیت الہیہ کی خبر ان راستبازوں کی معرفت مل چکی ہوئی تھی۔ وہ لوگ ان کی مخالفت کو معمولی چیز خیال کرتے اور بزعم خود و یاران خود زبردست وجوہات پیش کرتے۔ بلکہ سرے سے اس کا انکار ہی کرتے رہے ہیں۔ اور کہتے رہے ہیں کہ ہم تو فلاں حق کی تائید یا فلاں باطل کا مقابلہ کرتے ہیں نہ اہل بیت کا۔ بلکہ ہم تو ان کی عزت کرتے ہیں۔ پر بعد میں حق پرست گروہ ان پر ملامت ہی کر رہا ہے۔ مولانا یہ کیسی خطرناک بات ہے۔ کہ جس راستباز کے لئے سب کو اور سب کچھ چھوڑا ہو۔ اور نہایت کڑوے صبر کو لیکر سالہا سال اس کی معیت اختیار کی ہو۔ تو پھر بالآخر نہایت معمولی اور ایسے امور کی بناء پر جنمیں نفس کی ملونی کا شبہ ہی نہیں۔ بلکہ یقین ہو۔ اس کے ان پیارے اہل بیت کا مقابلہ شروع کیا جاوے۔ جنکی نسبت وہ بار بار خدا کے الہام کے ساتھ خبر دے چکا ہو۔ کہ میرا خدا جس طرح میرے ساتھ تھا۔ اور میرا مقابلہ کرنیوالا اس کا مقابل ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ ان کے ساتھ بھی ہے اور ان کا مقابلہ کرنیوالا ان کے خدا کا مقابل ہو گا ؞

مولانا! واللہ باللہ ثم تاللہ۔ یہ بڑی خطرناک۔ اور نہایت خسران و تباہی کی بات ہے۔ مولانا ایسے موقعہ پر زود رنجی اور جوش طبع آنکھوں کو ضرور بند کر دیا کرتا ہے۔ آپ ہی غور فرمائیے

کہ جن احباب نے خلیفۃ المسیح کے وعظ نصیحت سے رنج ہو کر ان کے درس میں شریک ہونے کو ترک کر دیا تھا۔ اور سالہا سال ترک رکھا۔ اور اسوقت رنج اور جوش طبع سے اپنی حرکت کو نہایت عمدہ خیال کرتے تھے اور اس کے خلاف عرض کرنیوالوں کو بیوقوف اور بے غیرت وغیرہ سمجھتے تھے۔ پر جب بہت زمانہ گذر گیا۔ اور وہ جوش بھی کم ہو گیا۔ تو پھر خود ان کو اپنی اس حرکت سے پشیمان ہو کر ان کے درس میں آنا ہی پڑا۔ بلکہ عام درس کے علاوہ اور بھی بہت سا وقت خرچ کر کے آپ سے قرآن مجید پڑھنا ہی پڑا۔ پھر اسی جوش سے بارہا وہ قادیان جیسے متبرک دار ہجرت کے ترک پر آمادہ ہوئے۔ لیکن ذی وجاہت خاص احباب کی سعی بلیغ سے وہ رُکے۔ پر اب وہ غور کریں۔ کہ اگر اسی وقت وہ جوش میں چلے جاتے۔ تو کس قدر اپنا نقصان کرتے۔ ہاں ان پہلے جوشوں اور اب کے جوش میں ایک عظیم فرق ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اسوقت ذی وجاہت اور خاص یار جوش کے برخلاف ساعی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان ایام میں تو جوش کے مطابق عملدرآمد ہے یا تو اسی وقت رُک گئے یا آیندہ اس سے پشیمان ہو کر رجوع لائے۔ لیکن ابکا جو جوش ہے اسمیں وہ ذی وجاہت اور خاص یہ جوش کے محرک اور موید اور اس کے مقتضا کے مطابق چلنے پر سعی بلیغ کرنیوالے ہیں۔ مولانا پھر اہل بیت ہی کی مخالفت خدا کے غضب کے بھڑکانے کے لیئے کافی سے زائد تھی۔ لیکن اس کے ساتھ اور بہت سی ایسی چیزیں مل گئی ہیں جنمیں سے ہر ایک نہایت ہی خطرناک اور دل کو ہلا دینے والی ہیں۔ کیا مولانا آپنے خدا کے مسیح کے سامنے اس کے متبرک شہر قادیان کو اپنا دار ہجرت قرار نہیں دیا تھا۔ اور اب جوش میں بے وجہ اس دار ہجرت کو ترک نہیں کر دیا۔ کیا دار ہجرت کو ترک کرنا حبط اعمال کا موجب شارع علیہ السلام نے نہیں بتایا۔ کیا خدا کے ساتھ عہد کر کے پھر توڑ دینا آسان ہے۔ فاعقبھم ...... بما اخلفوا اللہ ما وعدوہ کا سخت وعید اس کی نسبت قرآن مجید میں نہیں ہے۔ پھر مولانا آپ خوب جانتے ہیں۔ سب وحدت قومی اور اتفاق کو کس قدر ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور قرآن مجید نے تو اس کی حد سے زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ اور لا تتفرقوا کے ارشاد کو کیسا مؤکد فرمایا ہے۔ آنحضرت صلعم (فداہ ابی وامی وروحی) نے یہاں تک بھی فرما دیا ہے کہ من شذ شذ فی النار (جو جماعت سے جدا ہوا۔ وہ آگ میں ڈالا گیا) پھر خدا کے مسیح نے کس طرح تفرقہ سے

منع کیا۔ اور وحدت و اتفاق کو قائم رکھنے کے لئے ملکر کام کرنے کا حکم وارشاد فرمایا ہے تو پھر باوجود ان سب باتوں کے احمدی قوم میں تفرقہ ڈالنا کس قدر غضب الٰہی اور عذاب الیم کا موجب ہو سکتا ہے۔ یہ وہ خطرناک امر ہے۔ جس کے خیال سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مولانا! میں آپ کے قلب رقیق کو جانتا ہوں۔ پھر جب اس تفرقہ پر جرأت کرنے کو دیکھتا ہوں۔ تو کچھ عرصے کے لئے بالکل محو حیرت ہو جاتا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ جب آپ اس امر کو بخوبی جانتے اور اسپر یقین رکھتے تھے۔ کہ اگر اب آپ مجلس خلافت اور مسجد نور اور قادیان سے اٹھینگے۔ تو اکیلے نہ اٹھینگے۔ بلکہ بہت سے لوگ آپکے ساتھ اٹھینگے۔ تو پھر کس طرح جناب نے اس تفرقہ اندازی کی جرأت کی۔ مولانا! معاملہ تو خدائے علیم و قدیر سے ہے۔ اس کے سامنے نہ تاویلیں کام آتی ہیں۔ اور نہ زبان درازی اور محبت بازی کام آسکتی ہے۔ اور نہ کسی کی بڑائی یا علم و فضیل اور شہرت و قابلیت کام آسکتی ہے۔ اگر جوش طبع اور رنج سے اور ذی وجاہت خاص یاروں کی تحریک اور جوش دلانے سے آپنے اسوقت ان امور پر غور نہیں کی۔ تو خدا کے لئے اب غور کریں۔ مولانا! کوئی یار کام نہ آئے گا۔ میں حیران ہوں کہ اس نہایت خطرناک تفرقہ کے موجب اسوقت دو امر بیان کئے جاتے ہیں۔ ۱؎ غیر احمدیوں کی نسبت فتوئ تکفیر ۲؎ احمدیوں سے بیعت لینا۔ پر حقیقت میں فتوئ تکفیر کو یونہی عذر بنا لیا گیا ؎

چنانچہ جب لاہور میں شورش ہوا۔ تو حضرت میاں صاحب کے امیر تسلیم کرنے کے لئے اور شرطیں تو کی گئی ہیں۔ پر یہ شرط بالکل نہیں پیش کی کہ ہم جب امیر مانینگے کہ وہ اس فتوے سے رجوع کریں۔ حالانکہ حقیقت میں کوئی بات ہوتی۔ تو پھر سب سے پہلی شرط یہی ہوتی۔ کیونکہ حقیقی مسلمان کو کافر کہنے والا کسی طرح امیر نہیں ہو سکتا۔ اب رہا احمدیوں سے بیعت لینا تو جب اسکی نسبت جناب نے خود مانا اور شائع کیا ہے کہ جو خلیفہ کی بیعت کرے وہ بیشک کرے۔ کیونکہ جائز ہے۔ البتہ اسکو ضروری نہ قرار دیا جاوے۔ جس سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ بیعت کرنا نہ کرنا دونوں آپکے نزدیک جائز ہیں۔ تو اب جناب غور فرماویں کہ ایک جائز امر کے لئے تفرقہ جیسا ناجائز اور ممنوع اور حرام امر کا ارتکاب کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ یا عقل اس کی اجازت دیسکتی ہے؟ یہ تو بعینہٖ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ ایک شخص کسی کی روٹی کھانے سے نہ بچنے کے لئے جو کہ

ایک جائز امر ہے۔ خنزیر جیسی حرام چیز کو کھانے لگ جائے۔ جب احمدی کے لئے بیعت کرلینی جائز ہے۔ تو وہ پھر اس جائز امر سے بچنے کے لئے کیوں تفرقہ ڈالتا ہے۔ جو قطعی حرام اور ناجائز ہے ؁

پھر مولانا! جس مقام کو خدا کے برگزیدہ مسیح نے مرکز قرار دیا تھا۔ اس کی مرکزیت کو رد کرنا اور اس کے ابطال اور ضرر روحانی کے لئے مسجد ضرار کی طرح اور مرکز جدید قرار دینا ایک احمدی کی نظر میں اور عنداللہ کوئی صغیرہ گناہ نہیں ہے۔ پھر مولانا! حضرت مسیح موعود نے قادیان کے لنگر اور باقی مدّوں کے لئے چندہ قادیان میں بھیجنا ضروری قرار دیا۔ اور فرمایا۔ کہ جو شخص برابر تین ماہ یہ چندہ نہ دے۔ میری جماعت سے خارج ہے۔ مولانا! پھر اس حکم کے ہوتے ہوئے قادیان میں ان مدات کے لئے مذکورہ چندہ نہ دینا ایک احمدی کو کس قدر خوف زدہ کرسکتا ہے۔ پھر اسپر مزید یہ کہ امام تو اس چندہ کو اسقدر ضروری قرار دے۔ اور احمدی جماعت کے لیڈر کہلانیوالے اس قادیانی چندہ سے احمدیوں کو روکیں۔ یہ کس قدر خشیۃ اللہ کے صریح خلاف ہے۔ باقی رہی باتیں بنانا۔ تو جو لوگ نماز روزہ جیسے صریح احکام شرعی میں نئی اصلاح کے مدعی ہیں۔ وہ بہت کچھ باتیں بناتے ہیں۔ پھر مولانا! چند اشخاص جو کہ نہ علم قرآن رکھتے ہیں۔ اور نہ اور علوم دینیہ کے ماہر ہیں۔ جن کے فتوے اس حدیث کے مصداق ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا۔ اتخذ الناس رؤساء جھالاً فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا۔ وہ گو خلافت کا انکار کریں۔ اور اس کے مخالفت کرنیوالوں کو بے قصور سمجھیں۔ لیکن جن کو خداوند تعالیٰ نے کتاب اللہ اور سنۃ اللہ کا علم دیا ہے۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ خلافت خداوند تعالیٰ خود ہی قائم کرتا ہے۔ جس طرح کہ مامور خود ہی بھیجتا ہے۔ اور اسکی مخالفت ایک مہلک بیماری ہے۔ آسان نہیں۔ اللہ تعالےٰ خود ہی بتا چکا ہے۔ کہ عنداللہ اس کی مخالفت کس قدر خطرناک ہے۔ اور خلفاء راشدین کے مخالفوں کی بھی زبان بند نہیں ہوئی تھی۔ پر اس زبان آوری سے نہ تو وہ عندالناس حق پر ملنے گئے۔ اور نہ عنداللہ معذور ہوئے۔ اور گو خداوند تعالےٰ کے رسول نے انکی باتوں کی نسبت یہ تو فرمایا کہ یقولون کلمۃ الحق۔ لیکن ساتھ ہی فرمایا۔ یریدون بھا الباطل

اور یہ کہ یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیتہ۔ ایسے خطرناک موقعوں پر کچھ باتیں
بناکر اپنے دل کو بہلانا یا معترضین سے پیچھا چھوڑا لینا۔ اس کی نسبت اپنے وطن کا ایک پرندہ
اور ہی ایک بڑا خوبصورت اور پیارا چارپایہ یاد آجاتا ہے۔ ہمارے ملک میں مادہ مور کے برابر
اور طرز کا ایک بڑی لمبی اور مخروطی شکل کا پرندہ ہوتا ہے۔ جس کو ریار بولتے ہیں۔ اس کی ڈار
پر جب باز کو چھوڑتے ہیں۔ تو وہ بجائے اُڑنے کے زمین پر گر کر فوراً کسی پتھر۔ جڑھ۔ پتہ وغیرہ
کے نیچے اپنے سر کو آنکھیں بند کر کے چھپا دیتا ہے۔ اور باقی اس کا سارا بدن اور گز بھر دُم
باہر ہوتی ہے۔ اس سے وہ خیال کر لیتا ہے کہ اب میں باز اور شکاریوں کی نظر سے چھپ گیا
ہوں۔ اسی طرح جب گدھے پر شیر یا چیتا حملہ آور ہوتا ہے۔ تو وہ آنکھیں بند کر کے اپنے خیال
میں شیر اور چیتے سے چھپ کر بے خطر ہو جاتا ہے۔ پر یہ کارروائی حقیقت میں اُسے کچھ فائدہ
نہیں دے سکتی۔ اسی طرح قرآن مجید میں اس کی یہ مثال بیان کی ہے کہ بجلی کے ڈر سے موت
سے بچنے کے لئے کانوں میں جو انگلی دے۔ تو یہ عمل اس کو کچھ بھی نہیں بچا سکتا۔ اور ایسی
بنایا ہی یہ ہے کہ اپنی غلطیوں پر الٰہی وعیدوں کی کڑک کو سُن کر ان کے تباہی خیز اثر سے
بچنے کے لئے الخوف فیہ۔ جیسے لایعنی حیلوں کے ساتھ بچاؤ تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ
ان کی بے وقوفی ضرور ثابت ہو جاتی ہے ؎

پھر مولانا! اس خلافت کے ابطال کے لئے اسقدر سینہ زوری کی گئی ہے کہ کچھ پرواہ نہیں
کی گئی۔ خواہ کوئی آیت قرآنیہ ردّ ہو۔ یا حدیث صحیح ہو یا خدا کے مسیح کی تفسیر اور اقوال ردّ ہوں
پھر جناب کے معاونین اس بارہ میں اسقدر بڑھے۔ کہ انہوں نے محمود کی خلافت کے ردّ کرنے
کے لئے حضرت مسیح موعود کو باب اللہ (وہی باب اللہ ہیں۔ جس کا ذکر جناب نے ریویو میں فرمایا تھا)
اور آپ کی وحی کو باب اللہ کی پیشگوئی قرار دیا۔ اور بعض نے خدا کے فرستادہ کو ان پاک نفس مصلحین
میں شمار کیا۔ کہ جنہیں جناب دیانند اور مصلح بھی داخل ہیں۔ جنکی تصنیف کی نسبت حضرت خلیفۃ المسیح
کو الہام ہوا تھا کہ "اس ...... کتاب کو نہ پڑھو" پھر مولانا! ابطال خلافت کے لئے کس
جرأت سے حضرت مسیح موعود رسول اللہ اور نبی اللہ (جو کہ اپنی ہر ایک شان میں اسرائیلی مسیح
سے کم نہیں۔ اور ہر طرح بڑھ چڑھ کر ہے) کی نبوت اور رسالت کی خاک اُڑائی ہے۔ پھر مولانا

کس دیدہ دلیری سے آپ کے ماننے کو غیر ضروری قرار دیا ہے۔ مولانا! خدا کے لئے غور فرمائیں کہ خدا کے مسیح نے عبدالحکیم کو (جس نے پہلے اردو ترجمہ قرآن بڑی محنت سے لکھا اور تفسیر لکھی اور احمدیت کے دعاوی اور مسائل کو بڑے زور سے ثابت کیا۔ اور پھر اپنے خرچ سے شائع کیا۔ پھر انگریزی ترجمہ خود کیا۔ اور وہ بھی کثیر روپیہ کے ساتھ طبع کر کے شائع کیا۔ پھر عربی زبان کی خدمت کے لئے ایسی کتاب لکھی جو کہ براہ راست خدمت قرآن پر مشتمل ہے وغیر ذالک) جماعت سے خارج کیا۔ اور اسی وجہ سے کیا کہ وہ مسیح موعود اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ماننے کو مدار نجات قرار نہیں دیتا تھا۔ پھر مولانا۔ جب مؤمن اور مسلم کے لئے نجات کا وعدہ ہی اور کفر والا خلود فی النار۔ اس کے لئے نہیں ہے۔ اور مجرد اللہ کے ماننے سے آدمی مومن ہو جاتا ہے۔ جس کے مطابق یہودی اور عیسائی بھی مومن ہو جاتا ہے۔ بلکہ لا یومن اکثرھم کی تفسیر اور امام ابو حنیفہ رح کے قول کے مطابق مشرکین مومن اور مسلم ہوتے۔ اور غیر احمدیوں کے مومن و مسلم ہونے میں شک و شبہ ہی نہ رہا۔ تو پھر مسیح موعود اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننا نہ ایمان و اسلام کے لئے کچھ ضروری ہوا۔ اور نہ نجات کے لئے وہ مدار قرار پایا۔ تو پھر عبدالحکیم کی راہ اور اس راہ میں کیا فرق رہا۔ مولانا! خدا کے لئے غور فرمائیں۔ یہ راستہ کس قدر خطرناک ہے۔ جس کو بڑی جرأت سے اختیار کیا جاتا ہے۔ مولانا! میں کس کس خطرناک بات کا ذکر کروں یہاں تو ایک بات کے لئے بیسیوں خطرناک باتیں اختیار کر لی گئی۔ اور یہ مذکورہ باتیں بطور نمونہ عرض کی ہیں۔ پھر یہ تو وہ خطرناک باتیں ہیں۔ جو کچھ عقائد کی قسم سے ہیں۔ اور ان کے علاوہ عملیات کی قسم سے۔ اور بھی بہت سی خطرناک باتیں سرزد ہو چکی ہیں۔ مثلاً جھوٹ جو کہ مقامض الایمان ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں پبلک کے سامنے آئیں۔ مثلاً ۱۲ اپریل کے جلسہ قادیان کی نسبت ایک اعلان شائع ہوا۔ جس پر مولوی غلام حسن صاحب ماسٹر صدرالدین صاحب۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور شیخ رحمت اللہ صاحب اور جناب کے دستخط تھے۔ اور اس کے دوسری طرف نبوت کی نسبت الحکم کا ایک حوالہ درج تھا تو اس اعلان کے اخیر میں حضرت میاں صاحب کی نسبت لکھا ہوا تھا کہ ابھی بمشکل جماعت کے بیسویں حصہ نے ان کی بیعت کی ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے۔ کہ گو حقیقت میں بہت زیادہ نے

کی ہو۔ مگر کسی کو اس کا علم نہ ہوا ہو۔ بلکہ اس کے خیال میں بیسویں حصہ لے کی ہو تو وہ اپنے
خیال کے مطابق نہ کہ واقعہ کے پورا ہونے سے یہ کہہ سکتا ہے۔ اور اس طریق سے کہنا جھوٹ
نہیں ہوگا۔ مگر مشکل یہ ہے۔ کہ یہاں پر کوئی اس پر قسم نہیں کھا سکتا۔ کہ میرے خیال اور علم
میں ۲/۱ حصہ ہی نے بیعت کی ہے۔ بلکہ لکھنے اور کہنے والے اس سے پہلے خود اظہار دے
چکے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے (مولوی محمد علی صاحب اور ان کے احباب کے) ساتھ کم لوگ
ہیں۔ اور خلیفہ کے ساتھ بہت ہیں الخ اور پھر ایسی بات کرنا کہ جس سے براہ راست حضرت مسیح موعود
پر جھوٹ وغیرہ کا الزام عائد ہو۔ چنانچہ لکھا گیا کہ اگر اکثر لوگوں نے خلیفہ کی بیعت کی ہے۔ تو
پھر کم از کم تین لاکھ کی فہرست بتائیں۔ کیونکہ مسیح موعود نے پانچ لاکھ جماعت بتائی ہے۔ اس کا
بجز اس کے اور مطلب ہی کیا ہو سکتا ہے کہ فریق ثانی نے اگر مسیح کا پاس کیا تو ہمارے مطالبہ کے
مقابلہ میں اسکو لاجواب اور ساکت ہونا پڑیگا۔ اور اگر جواب دیا۔ تو ضرور مسیح پر جھوٹ کا الزام
تسلیم کرنا پڑے گا۔ تو کیا احمدی اور احمد کے مرید کے لئے یہ امر قابل مواخذہ نہ ہوگا۔ پھر
مولانا! میں حضور کے سامنے ایک منظر پیش کرتا ہوں۔ لیکن میں اس کی تفصیل خود نہیں
کروں گا۔ کیونکہ یہ نیت کے متعلق ہے۔ بلکہ آپ کے غور و فکر اور تدبر پر چھوڑتا ہوں۔ بس
آپ ایک طرف مسجد نور والے موکد بلعنت اظہار نیک نیتی کو یاد کریں۔ پھر غور سے اپنے
خلافت والے ٹریکٹ کو دیکھیں۔ پھر اس کے بعد کے واقعات۔ قادیان کو چھوڑنا۔ لاہور
اختیار کرنا۔ مجلس معتمدین سے فلاں بات اور فلاں حالت میں چلا جانا پھر قادیان کے شوریٰ
خلافت پر اعتراض۔ اور لاہوری شوریٰ کا اعتبار اور اس کا اظہار۔ پھر خلفاء مقرر کرنا۔ اور قادیانی
خلیفہ کی امارت اور اس کی شرائط کا ریزہ ریزہ کرنا۔ پھر خصوصاً صدر انجمن یا مجلس معتمدین کی
جانشینی پر زور دینا۔ پھر اس کے فیصلوں کا قطعی ہونا۔ اور اس پر بہت زور دینا۔ پھر حضرت خلیفہ اسیح
کا خلیفۃ المسیح ہونا۔ اور ان کے عہد کا مسیح موعود کے زمانہ میں داخل کرنا۔ پھر ان کے سب فتووں
اور حکموں کو پھر انجمن کا واجب التسلیم والتعمیل ہونا۔ پھر ان کی بیعت کا صوفیانہ ہونا بیعت
خلافت کا الوصیت کے خلاف ہونا اور اس کے باعث سے چھ سال کا عمل قربان کرنا اور
انکی بہت سی تحریروں اور فتووں اور حکموں کو رد کرنا۔ پھر انجمن کی کثرت رائے کے فیصلوں کو

رد کرنا پھر اس کے مقابل نئے مرکز میں ایک انجمن قائم کرنا باوجود پہلی مرکزی انجمن موجود ہونے کے یہ مشہور کرنا کہ انجمن ٹوٹ گئی ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنائی تھی اور اسکی جگہ اب یہ انجمن ہے۔ جو کہ لاہور میں بنائی گئی ہے۔ اسی طرح اور بہت سی باتوں پر گذرتے گذرتے آخر جا کر ٹھہرا تو اسپر کہ مولانا مولوی محمد علی صاحب سید القوم۔ امیر القوم وامیر الملت ہیں۔ اور خاص آپکے نام پر بدوں شرکت کسی خلیفہ کے بیعت کا اعلان شائع ہوگیا۔ مولانا ہزار حسن ظن کا وعظ اور نیک نیتی کا اظہار اور قسموں اور لعنتوں کے ساتھ اسکی تاکید و تائید کی جائے۔ پر یہ منظر ان سب کو رد کر کے یہی یقین دلائیگا۔ کہ اس ساری دوڑ میں اصل محرک اور نصب العین وہی امر تھا کہ جسپر آکر آخر پاؤں جم گئے ہیں۔ اور گو خلافت پر امارت کا غلاف چڑھایا گیا ہے۔ لیکن یہ غلاف ستر کا کام دینے کے بالکل نا قابل ہے۔ کیونکہ خلفائے راشدین پر بھی امیر کا اطلاق عام موجود ہے۔ جسکو خلیفۃ المسیح کہا جاتا ہے۔ اس کی نسبت صحیح حدیثوں میں یصلی بھم اور یصلی علیہ امیر ھم آیا ہے۔ رہا یہ کہ امیر کا اطلاق رئیس عسکر اور سردار حجاج وغیرہ پر آیا ہے۔ تو خلیفہ کا اطلاق بھی شہر کے نائب وغیرہ پر صادق آتا ہے۔ باقی رہا احمدیوں سے بیعت کا لینا تو یہ کوئی نہ اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ اور نہ اس کا کوئی مقتضی ہے۔ بلکہ اس کا باعث ایک ضروری اعلان ہے جس کا باعث دماغ پر باد کی زیادتی ہے۔ اور جسپر بعد از وقت بار ہا اظہار ندامت ہو چکا ہے۔ مولانا! آپ خوب جانتے ہیں۔ کہ ایسی کوئی خطرناک بات نہیں ہے۔ کہ جس کے مقابلہ میں کوئی طفل تسلی ہو سکتی ہو یا اسپر بعض سادہ مزاج یا خود غرضوں کی تسلی نہ ہوتی ہو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب ایک صحابی کی نسبت فرمایا ہوا تھا۔ کہ اس کو باغی گروہ قتل کریگا۔ تو جب حضرت علی کے لشکر میں امیر معاویہ کے مقابلہ میں شہید ہوا۔ اور امیر معاویہ کے سامنے یہ حدیث پیش کی گئی تو انھوں نے یہ جواب دیا۔ کہ اصل قاتل تو وہ ہیں۔ جو اس کو جنگ کے میدان میں لے آئیں نہ وہ کہ جنھوں نے اس کو قتل کیا۔ تو اسپر بھی طفل تسلی ہو ہی گئی تھی۔ اور بہت سے مقید مقید ہی رہے تھے۔ من سب علیا۔ جیسی سخت ترین حدیث کے ہوتے ہوئے جب بعض مدفوں نے وضعی حدیثیں گھڑیں۔ تو وعید کے خطرہ کو اس کے ساتھ رفع کیا اور کہا کہ وہ تو تب ہے کہ

دین کے بگاڑنے کے لیئے ہو۔ اور ہم نے تو دین کی طرف ترغیب دلانے کے لیئے بتائی ہیں۔
اور اس طفل تسلی کے ساتھ ان کے مُرید اس خطرناک امر کے ظاہر ہونے پر بھی ان کے جال میں پھنسے
رہے ہے۔ آپ کو خوب معلوم ہے کہ یہود بھی ملاکی نبی کی کتاب سے اپنی طفل تسلی کرتے ہیں۔ پھر مولانا!
یہ طفل تسلیاں ہزار تسلی دیں۔ لیکن عذاب آلہی اور اسکی لعنت سے جسطرح انہوں نے یہودیوں
کو نہیں بچایا۔ اور اسی طرح اوروں کو بھی ہرگز نہیں بچا سکتیں۔ مولانا! معاملہ خداوند تعالیٰ کے
ساتھ ہے۔ ہماری طفل تسلیاں وہاں کچھ کام نہ دینگی۔ مانا کہ جناب نے قوم مسیح موعود میں
تفرقہ ڈالنے کی بفرض محال ایسی توجیہ کولی ہے۔ کہ جسپر ارد گرد سے عش عش ہوتا۔ اور واہ واہ
کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔ اور فریق مقابل اسکی تردید سے عاجز ہو گیا ہے۔ پھر کیا مولانا اس
کے ساتھ یہ تفریق جائز ہو جائیگی۔ یا تفرقہ انداز سے باز پرس نہوگی۔ یا وہ خدائے غیور کی لعنت اور اسکے
سخت عذاب سے بچ جاویگا۔ یا اس کے اس قدر کہدینے سے کہ میں نے تفرقہ نہیں ڈالا۔ بلکہ
تفرقہ انداز تو فریق ثانی ہے۔ جس نے خلیفہ بنا کر اس کی بیعت کی۔ اور ہمارا مشورہ نہ سُنا۔ آپ کو
کچھ فائدہ دیگا۔ یا مثلاً خلافت کے انکار کے لیئے آپ نے ہزاروں قوی دلائل نکال لیئے۔ تو کیا
اس سے آپ پہلے منکرین خلافت سے جدا ہو جائینگے۔ اور اس لعنت و عذاب سے بچ جاوینگے
جو منکرین خلافت کیلیئے مقدر ہے۔ اسی طرح حضرت اقدس نے جو فتویٰ دیا ہوا ہے کہ جو شخص تین ماہ
تک مقرر چندہ قادیان نہ دیگا۔ وہ جماعت سے خارج ہے۔ اور آپ لوگوں نے وہ چندہ مقرر
روک کر بلکہ اور احمدیوں کو اس چندے سے روک کر حضرت اقدس علیہ السلام کے ہاتھ مبارک
سے جو کہ خدا کے ہاتھ کا مظہر ہے۔ خروج از جماعت احمدیہ اور ارتداد کا فتویٰ بلاریب حاصل
کیا ہے۔ تو کیا اس یقینی اور قطعی فتویٰ سے یا اس خروج اور ارتداد کی سخت ترین سزا سے
آپ کو یا آپکے یاران شرمساران کو یہ طفل تسلیاں بچا سکتی ہیں کہ قادیان کی جگہ اب لاہور مرکز ہو
گیا ہے۔ اور صدر انجمن احمدیہ کی بجائے اب لاہوری احمدیہ انجمن ہو گئی ہے۔ اور قادیانی
چندے منسوخ ہو کر اب ان کی جگہ لاہوری چندے دینے لازم ہو گئے ہیں۔ پہلے تو ایک
مامور من اللہ اور رسول اللہ اور امام حکم و عدل نے خدا کے الہام سے سب کچھ کیا تھا تو کیا اب
لاہور میں کوئی مامور من اللہ اور امام حکم و عدل پیدا ہو گیا ہے۔ جس نے الہام کی بنا پر پہلے جو

کچھ تھا۔ اس کو منسوخ کردیا۔ اور اس کی جگہ اپنا حکم جاری کیا :

مولانا! مَیں خوشامد سے نہیں کہتا۔ بلکہ ایک امر واقعہ کے طور پر کہتا ہوں کہ آپ کی طبیعت بہت اچھی تھی۔ آپ کے خیالات بھی بہت اچھے تھے۔ مگر ان سب خوبیوں کے مقابلہ میں دو نقص بھی موجود تھے۔ اوّل یہ کہ آپ بہت زود رنج اور مغلوب الغضب تھے۔ آپ کئی بار معمولی معمولی باتوں پر اسقدر جوش میں آئے۔ کہ قادیان اور اپنے دار ہجرت کے چھوڑنے پر اور حضرت مسیح موعود اور خلیفۃ المسیح کی بابرکت صحبت سے جُدا ہونے پر تیار ہو گئے تھے۔ اور اس کا یہ اثر تھا۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح سے مدرسہ کی کمیٹی کے زمانہ میں رنج ہوئے۔ تو آخر وقت تک اس رنج کو نہ چھوڑا اسی طرح اہل بیت مسیح کا حال۔ دوسرا نقص تھا۔ کہ آپ دوست کی بات سے بہت ہی متاثر ہونیوالے تھے۔ خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔

چنانچہ آپ ایک طرف تو حضرت خلیفۃ المسیح اور اہل بیت مسیح سے رنج تھے۔ دوسری طرف یہ غضب شروع ہوا۔ کہ باوجودیکہ آپنے بار بار حضرت مسیح موعود سے خواجہ کمال الدین کے ضعف ایمان کی شکایت سُنی ہوئی تھی۔ چنانچہ آپ کو یاد ہوگا۔ کہ جس دن حضرت اقدس نے وطن والے معاملہ میں تقریر فرمائی تھی۔ اس تقریر کے بعد آپ ہی کو مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ خواجہ صاحب کو لکھ دو کہ وہ بہت استغفار کریں۔ اور قربانی دیں کہ مَیںنے ان کی نسبت بہت سی خطرناک خوابیں دیکھی ہیں۔ پھر حضرت صاحب نے یہ خواب بھی سُنائی تھی۔ اور امید کہ آپ کو یاد ہوگی کہ "مَیں نے دیکھا ہے۔ کہ خواجہ پاگل ہو گیا ہے۔ اور مجھ پر اور مولوی صاحب پر (جو کہ مسجد کی چھت پر ایک تخت پر بیٹھے ہوئے تھے) حملہ کرنا چاہتا ہے۔ تو مَیں نے کسی[1] کو کہا۔ کہ اس کو مسجد سے باہر نکال دو۔ تو وہ گیا۔ پر اس کے نکالنے سے پہلے خود سیڑھیوں سے نیچے اُتر گیا۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ مسجد کی تعمیر خود حضرت صاحب نے جماعت کی ہے۔ پھر جس خواجہ کی نسبت مَیں نے یہ کچھ لکھا ہے۔ اس نے حضرت مسیح موعود کی نسبت مالی اعتراض شروع کئے۔ اور پہلے آپ مخالفت کرتے رہے۔ مگر بالآخر خود بھی اس اعتراض میں شریک ہوئے۔ اور جس روز مسجد کے چندہ کیواسطے گوجرات یا جب کر یا والے کی طرف جارہے تھے۔ اور جناب نواب خان صاحب تحصیلدار کے ٹانگہ پر

---

[1] فرمایا [illegible] نہیں رہا۔ وہ حامد علی یا مولوی یار محمد تھا :

ہم تینوں سوار کوچبان اور جناب خواجہ صاحب آگے بیٹھے۔ میں اور جناب پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ تو جب ہم اس سڑک پر پہنچے۔ جو کہ کڑیانوالہ کی طرف جاتی ہے۔ تو خواجہ صاحب نے یہ فرمایا کہ راستہ باتوں کے ساتھ طے ہُوا کرتا ہے۔ اور میرا ایک سوال ہے۔ جس کا جواب مجھے نہیں آتا۔ میں اسے پیش کرتا ہوں۔ آپ اس کا جواب دیں۔ سوال شروع کیا۔ مگر اس نے اسقدر طول پکڑا۔ کہ ۱۶ یا ۱۸ میل راستہ طے کر کے جب ہم اس پگڈنڈی کے پاس پہونچے۔ جو سڑک سے کڑیانوالہ گاؤں کی طرف پھرتی ہے۔ تو احمدی احباب کو دیکھ کر جو ہمارے لینے کے واسطے کھڑے تھے۔ خواجہ صاحب نے سوال کو نامکمل حالت میں کل کے وعدہ پر ختم کیا۔ دوسرے دن پھر جب کڑیانوالے کے احمدی اسی جگہ سے واپس ہوئے۔ اور ہم سوار ہو کر گجرات کی طرف روانہ ہوئے تو خواجہ صاحب نے ہاں کل کا سوال رہ گیا تھا۔ کہکر پھر تقریر شروع کی۔ اور پھر ۱۶ یا ۱۸ میل راستہ طے کر کے جب اس پگڈنڈی کے پاس آئے۔ جو گوجرات شہر کو جاتی ہے۔ تو آپ نے مجبوراً کلام کو ختم کر کے آپ سے جواب دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ ۱۸ اور ۱۸ میل میں بیان ہونیوالے سوال کو مفصل نہیں کہہ سکتا۔ البتہ صحیح اور یقینی مضمون اس کا یہ تھا۔ کہ پہلے ہم اپنی عورتوں کو یہ کہکر کہ انبیاء اور صحابہ والی زندگی اختیار کرنی چاہیئے۔ کہ وہ کم اور خشک کھاتے اور خشن پہنتے تھے۔ اور باقی بچا کر اللہ کی راہ میں دیا کرتے تھے۔ اسی طرح ہم کو بھی کرنا چاہیئے۔ غرض ایسے وعظ کر کے کچھ روپیہ بچاتے تھے۔ اور پھر وہ قادیان بھیجتے تھے۔ لیکن جب ہماری بیبیاں خود قادیان گئیں۔ وہاں پر رہ کر اچھی طرح وہاں کا حال معلوم کیا۔ تو واپس آکر ہمارے سر چڑھ گئیں کہ تم بڑے جھوٹے ہو۔ ہم نے تو قادیان میں جاکر خود انبیاء اور صحابہ کی زندگی کو دیکھ لیا ہے۔ جس قدر آرام کی زندگی اور تعیش وہاں پر عورتوں کو حاصل ہے۔ اس کا تو عشر عشیر بھی باہر نہیں۔ حالانکہ ہمارا روپیہ اپنا کمایا ہُوا ہوتا ہے۔ اور ان کے پاس جو روپیہ جاتا ہے۔ وہ قومی اغراض کے لئے قومی روپیہ ہوتا ہے۔ لہذا تم جھوٹے ہو۔ جو جھوٹ بول کر اس عرصہ دراز تک ہم کو دھوکہ دیتے رہے ہو۔ اور آئندہ ہم ہرگز تمہارے دھوکہ میں نہ آوینگی۔ پس اب وہ ہم کو روپیہ نہیں دیتیں کہ ہم قادیان بھیجیں۔ اسپر خواجہ صاحب نے خود ہی فرمایا تھا کہ ایک جواب تم لوگوں کو دیا کرتے ہو۔ پر تمہارا وہ جواب میرے آگے نہیں چل سکتا۔ کیونکہ میں خود واقف

ہوں۔ اور پھر بعض زیورات اور بعض کپڑوں کی خرید کا مفصل ذکر کیا۔ اور مجھے خوب یاد ہے کہ اس طویل سفر میں آتے اور جاتے ہوئے ان اعتراضات کے باعث مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ غضب خدا نازل ہو رہا ہے۔ اور مَیں متواتر دعا میں مشغول تھا۔ اور بار بار جناب الٰہی میں یہ عرض کرتا تھا کہ مولیٰ کریم! میں اس قسم کی باتوں کے خلاف ہوں۔ مَیں اس مجلس سے بھی علیحدہ ہو جاتا۔ مگر مجبور ہوں۔ پس تیرا غضب جو نازل ہو رہا ہے۔ اس سے مجھے بچانا۔ اور جب آپ سے جواب طلب کیا گیا۔ تو جناب نے یہ جواب دیا کہ کوئی پسند کرے یا نہ کرے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ انبیاء کے افعال بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل۔ وہ جو نبوت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ دوم۔ وہ جو بشریت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ پس جو نبوت کے ماتحت ہوتے ہیں وہ تو نقص سے پاک ہوتے ہیں۔ اور جو بشریت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ وہ ہمارے افعال کی طرح نقصوں والے ہوتے ہیں۔ یہ کہکر تھوڑے سکوت کے بعد کہا کہ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ افعال جو کہ بشریت کے ماتحت تھے۔ وہ بہت کچھ نقصوں سے پاک تھے۔ اور مجھے بخوبی یاد ہے۔ کہ جناب کے اس جواب سے تب مجھے بہت ہی مایوسی لاحق ہوئی تھی۔ اور بار بار میں دل میں لاحول پڑھ رہا تھا۔ پھر جناب کو یاد ہو گا۔ کہ جب مَیں نے جناب کو کہا تھا کہ آج مجھے پختہ ذریعہ سے معلوم ہُوا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گھر میں بہت اظہار رنج فرمایا ہے کہ باوجود میرے بتانے کے کہ خدا کا منشاء یہی ہے کہ میرے وقت میں لنگر کا انتظام میرے ہی ہاتھ میں رہے۔ اور اگر اس کے خلاف ہوا۔ تو لنگر بند ہو جاویگا۔ مگر یہ (خواجہ وغیرہ) ایسے ہیں کہ بار بار مجھے کہتے ہیں۔ کہ لنگر کا انتظام ہمارے سپرد کر دو۔ اور مجھ پر بدظنی کرتے ہیں"۔ اور یہ سُنا کر مَیں نے بوجہ محبت آپ کو یہ کہا تھا۔ کہ آپ آئندہ کبھی اس معاملہ میں شریک نہ ہوں۔ ایسا نہ ہو۔ کہ حضرت اقدس کی زیادہ ناراضگی کا موجب ہو جاوے اور آپ کو نقصان پہونچے۔

اس کے دو تین روز بعد خواجہ صاحب قادیان آئے۔ تو نماز مغرب کے بعد آپ نے مجھے بُلایا۔ جب میں حاضر ہُوا۔ تو آپ اور خواجہ صاحب مجھے مسجد مبارک کی چھت پر لے گئے۔ (اسوقت نئی اور پُرانی چھتیں برابر کر کے ان کے اوپر روڑی کُوٹی جا رہی تھی۔ اور بیٹھنے

کی جگہ نہ تھی۔ تو آپ اپنے گھر سے چارپائی لائے۔ اور اسپر ہم تینوں بیٹھے تھے) تو خواجہ صاحب نے مجھے کہا کہ مولوی صاحب! تمہاری زبانی مجھے حضرت صاحب کے ناراض ہونے کی بات سنائی تھی۔ تو میں نے چاہا۔ کہ آپ کی زبانی ساری بات سنوں۔ اسپر میں نے ساری بات سنائی۔ جب میں سنا چکا۔ تو خواجہ صاحب نے مجھے فرمایا کہ تم حضرت صاحب سے اچھی طرح سے بات چیت کر لیا کرتے ہو۔ تم ضرور حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کرو۔ کہ حضور وہ تو حضور کے غلام ہیں۔ اور حضور کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہوئے ہیں۔ بھلا غلام کیا۔ اور اس کا مال کیا اصل بات یہ ہے۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے خیال میں یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ ہم کو حضور کی خدمت میں اسواسطے لایا ہے کہ حضور پر جو کاروبار عظیم کا بوجھ ڈالا گیا ہے۔ ہم ان کاموں میں حضور کا ہاتھ بٹائیں۔ اور لنگر کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دو طرح سے حضور کے اوقات گرامی میں تشویش واقع ہوتی ہے۔ اوّل تو روپیہ مہیا کرنے میں کہ روپیہ ختم ہوتا ہے۔ اور میاں نجم الدین اکھڑا ہوتا ہے۔ کہ اتنا روپیہ اسوقت ضروری چاہیئے۔ تو اس سے حضور کے اوقات گرامی میں تشویش پیدا ہوتی ہے۔ دوم۔ حضور کی طبیعت چاہتی ہے۔ کہ حضور کے مہمانوں کی اچھی طرح سے خاطر داری اور مہمان نوازی ہو۔ لیکن ملازم لنگر بوجہ نگران نہ ہونے کے اچھی طرح کام نہیں کرتے۔ تو اس سے بھی حضور کو تکلیف ہوتی ہے۔ روپیہ بہت صرف ہوتا ہے۔ اور غرض حاصل نہیں ہوتی۔ تو حضور کی تشویش کو دیکھ کر ہم کو یہ ندامت ہوتی ہے کہ ہم کیوں اس تشویش کے رفع کرنے میں کوشش نہیں کرتے۔ پس محض اس خیال سے وہ چاہتے ہیں کہ لنگر کا انتظام ان کے سپرد ہو جائے۔ ورنہ حضور ان کی جانوں اور مالوں کے بھی مالک ہیں۔ وہ کب یہ خیال دل میں لاسکتے ہیں کہ جناب بیجا صرف کرتے ہیں۔ لہذا یہ انتظام ہم کو دیا جائے۔ اور خواجہ صاحب بار بار تاکید کرتے تھے کہ ضرور کہنا۔ اور یہ باتیں کر رہے تھے۔ کہ دفعتہً آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے۔ کہ مولوی صاحب! اب مجھے وہ طریق معلوم ہو گیا ہے۔ جس سے لنگر کا انتظام فوراً حضرت صاحب ہمارے سپرد کر دیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ دیکھو گے۔ کہ جونہی میں پیش کروں گا تو آپ ضرور ہی حوالہ کر دینگے۔ اسپر آپنے یہ کہا کہ خواجہ صاحب! میں تو اب ہرگز نہیں پیش کروں گا۔ تو خواجہ صاحب نے یہ سنتے ہی آنکھیں سُرخ کر لیں۔ اور غصہ والی شکل اور غضب والے لہجہ سے کہنا

شروع کیا کہ قومی خدمت ادا کرنے میں بڑی بڑی مشکلات پیش آیا کرتے ہیں۔ اور کبھی حوصلہ پست نہ کرنا چاہیئے۔ اور یہ کیسی غضب کی بات ہے۔ کہ آپ جانتے ہیں کہ قوم کا روپیہ کس محنت سے جمع ہوتا ہے۔ اور جن اغراض قومی کے لیئے وہ اپنا پیٹ کاٹ کر روپیہ دیتے ہیں وہ روپیہ ان اغراض میں صرف نہیں ہوتا۔ بلکہ بجائے اس کے شخصی خواہشات میں صرف ہوتا ہے۔ اور پھر روپیہ بھی اس قدر کثیر ہے۔ کہ اسوقت جس قدر قومی کام آپنے شروع کئے ہوئے ہیں۔ اور روپیہ کی کمی کی وجہ سے پورے نہیں ہو سکے۔ اور ناقص حالت میں پڑے ہوئے ہیں اگر یہ لنگر کا روپیہ اچھی طرح سے سنبھالا جائے۔ تو اکیلے اسی سے وہ سارے کام پورے ہو سکتے ہیں۔ آپ اچھے خادم قوم ہیں۔ کہ یہ جانتے ہوئے پھر ایک ذرہ سی بات سے کہتے ہیں۔ کہ مَیں آئندہ ہرگز پیش نہیں کروں گا۔ مَیں تو کہتا ہوں کہ مَیں ضرور پیش کروں گا۔ اسپر آپنے کہا کہ مَیں ساتھ چلا جاؤں گا۔ مگر بات نہیں کروں گا۔ تو خواجہ صاحب نے کہا کہ میں بھی ساتھ ہی جانے کے لیئے کہتا ہوں۔ بات تو میں نہیں کراتا۔ بات تو میں خود کروں گا۔ غرض کہ اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں۔ جن سے اس بات کا صاف صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں ہی مالی اعتراض کا درس خواجہ صاحب نے شروع کر دیا تھا ؀

مولوی صاحب بات سے بات یاد آجاتی ہے۔ مجھے اس بابو صاحب کی بات یاد آگئی جس نے پہلے پہل مالی اعتراض لکھ کر پیش کیا تھا۔ سو اس کے محرک بھی خواجہ صاحب ہی تھے باغ میں گئے۔ اور سنانا شروع کیا کہ میر صاحب مالیوں کو یوں روٹیاں دیتے ہیں۔ اور باغ کے کتے کو یوں گوشت دیا جاتا ہے۔ وغیر ذالک۔ اور میر صاحب کا نام اسواسطے لیا جاتا تھا کہ اس کو میر صاحب سے پرانا رنج تھا۔ اور اس سے اسپر اثر ہونیکی امید تھی۔ واپس آکر دفتر بدر والے کمروں کے پاس جب آئے۔ تو اس نے کہا کہ پھر آپ لوگ اس کو روکتے نہیں۔ تو خواجہ صاحب نے ماتھا پیٹ کر کہا کہ اگر ہم کہیں۔ تو پھر کچھ بھی کام نہیں کر سکتے۔ اور اگر کہہ سکتے تو بات ہی کیا تھی۔ یہ تو آپ جیسے بزرگوں کا کام ہے۔ اور اسیوجہ سے آپسے ذکر کیا ہے۔ تب اس نے وعدہ کیا کہ اچھا پھر میں اس کا ذکر کروں گا ؀

اسی طرح اور بہت سے واقعات ہیں۔ جن سے صاف صاف یہ امر ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ واقعات بھی جناب کے سامنے ہو رہے تھے۔ پھر علاوہ اس کے حضرت اقدسؑ کی زبان مبارک سے بارہا آپ خواجہ صاحب کے ضعف ایمان کا بھی ذکر سُن چکے تھے۔ چنانچہ آپ کو یاد ہوگا کہ جب ان کے ضعف ایمان کا ذکر فرماتے۔ تو سعد اللہ لدھیانوی والی پیشگوئی والے مضمون کا بھی ذکر فرمایا کرتے تھے۔ اور اسی طرح جلسہ اعظم مذاہب والے مضمون کا بھی ذکر فرمایا کرتے تھے۔ کہ مسودہ کا مضمون سن کر خواجہ صاحب نے منہ بنا لیا۔ گویا اس مجلس میں سُنانے کے قابل نہیں ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ اس مضمون کے اعلیٰ ہونے کی خبر خدا نے دی تھی۔ جس کو چھاپ کر خواجہ صاحب کے حوالہ کیا گیا۔ اور مضمون سُنانے سے پہلے اس اشتہار کی پوری اشاعت کرنے کی پوری تائید کی گئی۔ مگر انہوں نے اپنے ضعف ایمان سے اس کی اشاعت نہ کی۔ اور دو چار اشتہار پہلے چسپاں کئے۔ مگر ایسی جگہوں پر کہ جہاں پر کوئی پڑھ ہی نہ سکے۔ ہاں جب مخالفوں کے مونہوں سے اس کی برتری ثابت ہو گئی۔ تب ان کو اس کی اشاعت کی بعد از وقت ہمت ہوئی۔ اور اسی طرح حضرت صاحب کے رؤیا صادقہ بھی خواجہ صاحب کی نسبت آپ سُن چکے ہوئے تھے۔ جو کہ انکی ایمانی حالت کے لئے سخت منذر تھی۔ اور پھر حضرت صاحب کا وہ کشف بھی سُن چکے ہوئے تھے۔ جس میں حضور نے اپنی جماعت کے ایک سفید پوش شخص کو غیروں میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور کسی کے دریافت کرنے پر اس نے یہ جواب دیا تھا کہ مصلحت وقت ہی ہے۔ اور گو اس میں خواجہ صاحب کا نام نہ تھا۔ مگر بالخصوص ان کے لئے منذر خوابوں کا ہونا۔ ان سے پہلے کسی اور سنجیدہ آدمی کا غیروں کے ساتھ نہ ملنا اور جواب میں مصلحت وقت کا ذکر کرنا خواجہ صاحب کی طرف اسقدر ذہن کو متوجہ کر دیتا ہے کہ مجھے یاد ہے۔ کہ اس ابتدائی زمانہ میں اس کو سُنتے ہی کئی لوگوں نے کہہ دیا تھا کہ نظر تو خواجہ ہی آتا ہے۔ خدا خیر کرے۔ مگر جناب نے اس سب کی ذرہ پروا نہ کی۔ مولانا! زمانہ مقدمات کے آخری دور میں فرق نمایاں ہو گیا تھا۔ مولانا! جب ان منذرات کے وقوع کا زمانہ آیا۔ تو آپ کے مکرم دوست نے سوچا۔ کہ اگر میں کھلا کھلا غیروں میں جا ملا۔ تو احمدی دوست اور احمدی لوگ تو ہاتھ سے گئے۔ اُدھر سے نئی ملنے ہے تا ملا

کام لینا ہے۔ اور غیروں ہیں متلون مزاج قرار پاکر ناقابل اعتماد ہو جاؤں گا۔ لہٰذا مجھے ایسا کرنا چاہیئے۔ کہ احمدی کہلاتے ہوئے غیروں میں جا ملوں تاکہ میری کامیابی کے لئے احمدی اور غیر احمدی دونوں میدان ہوں۔ تب آپ نے ایک سکیم تیار کی۔ لیکن اس کے اجرا میں کچھ موانع تھے۔ جن کے رفع کرنے کی اشد ضرورت تھی۔ اور کچھ با اثر احمدیوں کی ضرورت تھی جن کو اس سکیم کے اجرا کا آلہ بنایا جاسکے۔ اس سکیم کا نہایت مختصر خاکہ تو یہ ہے کہ احمدیوں میں تو اعتبار حاصل ہی ہے۔ اب غیروں میں تقریر و تحریر کے ذریعہ لائق مبلغ اسلام ہونے کا اعتبار پیدا کیا جاوے۔ اور یہ اعتبار حاصل کرتے ہی یورپ میں تبلیغ اسلام شروع کر دی جائے۔ پھر تو دونوں کی دولت پر تمہارے ہاتھ ہونگے۔ لیکن اس کے لئے پہلا مانع خلیفہ تھا۔ اور دوسرا مانع فتویٰ کفر اور نمازوں کی علیحدگی اور نماز جنازہ میں شریک ہونا وغیرہ تھا۔ مگر ان دونوں کے رفع کرنے میں اور احمدیوں کو ساتھ وابستہ رکھنے کے لئے ایک مضبوط اور با اثر جتھہ کی ضرورت تھی۔ اور اس کی نظر میں وہ بجز آپ کے حاصل نہیں ہو سکتا تھا اور آپ اسوقت اس کی بہت سی باتوں اور اصولوں کے خلاف تھے۔ پس پہلا کام اس نے یہ کیا کہ آپ کو اپنا موافق بنائے۔ اور پھر آپ کو ان مقاصد کے حصول کے لئے آلہ بنائے۔ مولانا۔ مجھے اکثر وہ مجالس یاد ہیں۔ جنہیں ان اصول پر مباحثات ہوا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات کیا۔ بلکہ اکثر آپ اسکو دوستانہ لہجہ میں اس جماعت کا پرنس کہا کرتے تھے۔ اور اسی کا اثر تھا۔ کہ لاہور کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے ہزاروں کے سامنے بے ساختہ جناب کے منہ سے ان کی نسبت یہ الفاظ نکلے کہ "جیسا کہ ہمارے پرنس صاحب نے کہا ہے" اور پھر توبہ توبہ کرنے لگ پڑے۔ اور اگر تھوڑی دیر کیواسطے جناب اپنی توجہ کو اس زمانہ کی دوستانہ مجالس کی طرف پھیرینگے۔ تو مجھے یقین ہے۔ کہ جناب کو میری باتیں رائے العین نظر آئینگی۔ ایک طرف یہ مباحثات ہو رہے تھے۔ دوسری طرف استمالۂ طبع کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد جناب کی بے مثل قربانی کا ذکر کیا جاتا تھا یا آپ کے قادیان آنے کو بے مثل قربانی قرار دیا جاتا تھا۔ اور کبھی آپ کو اپنا پیر و مرشد ظاہر کیا جاتا تھا۔ اور کبھی آپ کے علم و فضل اور معارف و حقائق کی داد دی جاتی۔ اور جناب کو مولانا کے خطاب سے یاد

کیا جاتا تھا۔ اور کبھی جناب کے قریب بیٹھ کر کسی دوسرے کو مخاطب کر کے کہا جاتا کہ ترقی کا عام قاعدہ
یہ ہے۔ کہ اگر قوم میں سے مختلف شخصیتیں آگے بڑھنا چاہیں تو ان میں نزاع اور کشمکش پیدا ہو کر
کوئی بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ہاں اگر ساری قوم ایک آگے بڑھے ہوئے شخص کو آگے بڑھانے
لگے۔ تو ضرور پھر اس شخص کی شخصیت دوسروں کے نزدیک بھی مؤثر ہو جاتی ہے۔ اور پھر جناب کی
طرف اشارہ کر کے کہا جاتا۔ کہ ہم میں یہی ایک شخص ہے۔ جو آگے ہے۔ ہم سب کو ملکر اس کو اور
آگے کرنا چاہیئے۔ اور کبھی جو ایسے کسی امر میں جناب نہ مانتے ہوں تو قریب بیٹھ کر دوسرے سے
خطاب کرتے ہوئے عورتوں کے مذاق پر اپنی پیشانی کو پیٹ کر کہنا کہ یار یہ مولوی نکلا۔ ہم تو اس
کے واسطے سب کچھ کر رہے ہیں۔ مگر یہ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مار رہا ہے۔ غرض کہ اس نے
جناب کی ان دو صفتوں کو خوب مطالعہ کر کے ہر ایک سے خوب فائدہ اٹھایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول
اور حضرت میاں صاحب سے آپ کو بعض وجوہات سے رنج تو پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ پس کبھی تو ان کے مقابلہ
کا رنگ چڑھا کر وہ باتیں اور چالیں آپ کو منوائیں۔ جنہیں آپ مخالفت کیا کرتے تھے۔ مثلاً کہہ دیا
کہ میاں کے اقتدار کی روک تھام کا سارا راز اس میں بھرا پڑا ہے۔ اور کبھی دوستانہ رنگ کی باتیں
کہہ کے آپ کو ان کے قبول کرنے پر مائل کر دیا۔ مولانا! میں نے بڑا تجربہ کر کے دیکھا ہوا ہے۔ کہ جب کوئی
دوست آپ میں دوستانہ سٹیم بھرتا ہے۔ تو اسوقت جو چاہے۔ آپ اس کو دینے کے لئے تیار ہو جاتے
ہیں۔ یہاں تک کہ میرا تجربہ ہے۔ کہ اسوقت آپ کی آنکھوں میں بھی آنسو آجاتے ہیں۔ اور ہونٹوں میں
بھی ایک رقت آمیز حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ وصف بہت عمدہ ہے۔ مگر بعض اوقات ایک عمدہ
چیز سے بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ دوم۔ آپ میں قوت انتقام اور غضب اور شر کینہ یعنی دیر پا
کینہ بہت غالب ہے۔ جب ہم حضرت مولانا سے طب پڑھتے تھے۔ تو بارہا آپ رض غصہ و غضب
کے غلبہ کی مثال میں جناب کا نام لیا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ دیکھو غصہ کے وقت
کس طرح ان میں رعشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور رنگت بالکل سیاہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ وصف بھی بڑے
کام کا ہے۔ بعض بزرگوں نے اس سے بہت بڑا کام لیا ہے۔ مگر اس سے مغلوب ہو کر اس کو
بے محل استعمال کرنے سے نقصان بھی سخت ہوتا ہے۔ مولوی صاحب! اس نے اپنے مقصد
کے حصول میں آپ کی ان دو وصفوں سے حد سے زیادہ فائدہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ آپ

اس کے ہاتھ میں ایک آلہ کی طرح ہو گئے۔ اور آپ کے ذریعہ سے اس نے اپنے مشکلات کو تو حل کر لیا۔ لیکن اس میں مطلب پرستی اور یار فراموشی بھری ہوئی تھی۔ لہذا اس نے نہ آپکا دین کا خیال کیا۔ نہ دنیا کا۔ اور آپ کو ان دینی اور دنیوی مشکلات میں ڈال کر آپ بالکل صاف و پاک علیحدہ ہو کر اپنے مقصد پر پہنچ۔ اب کہیں کس طرح وہ احمدیت کی حقیقت کو الٹ پلٹ کر احمدی کہلاتا ہوا غیر احمدیوں میں جا رہا ہے۔ مگر اس ساری کامیابی کی قربانی اس نے آپ کو بنایا۔ اور ذرہ بھر بھی اس کو رحم نہ آیا ؁

مولوی صاحب! آپ صاحبان کہتے ہو کہ ہم احمدی ہیں۔ اور حضرت میرزا صاحب کو مسیح موعود اور مہدی مسعود مانتے اور یقین کرتے ہیں۔ اور ہم بھی آپ کی تکذیب نہیں کرتے۔ بیشک آپ پہلے بھی احمدی تھے۔ اور اب بھی احمدی ہیں۔ لیکن اب عرض یہ ہے کہ خدا کے لیئے غور فرمائیں کہ کیا حضرت مسیح موعود کی حیات میں آپ صاحبان کی یہی حالت تھی۔ جو اب ہے۔ کیا غیروں کے ساتھ یہی تعلقات تھے۔ جو کہ اب ہیں۔ کیا غیروں کے آپسے وہی تعلقات تھے۔ جو کہ اب ہیں۔ مولوی صاحب! معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ وہاں پر نہ ان بھڑوں نے کام آنا ہے۔ اور نہ دوستوں نے۔ اور نہ آبا ؤ رشتے۔

مولوی صاحب! خدا کے لئے آپ اس زمانہ کو یاد کریں۔ جبکہ آپ حضرت مسیح موعود کے دار میں اقامت پذیر تھے۔ اور اس احمدیت اور اس حالت کو ذہن میں لائیں۔ اور جب وہ نقشہ ذہن میں آجائے تو پھر آپ اپنی موجودہ احمدیت اور موجودہ حالت کو دیکھیں۔ اگر ان میں فرق ہے۔ اور یقیناً ہے تو پھر یہ بجز بعض کی محبت اور بعض کے بغض کے نہیں۔ اور ایک عقلمند عالم کی شان سے بعید ہے کہ کسی کی محبت یا بغض سے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالے۔ مولوی صاحب! پھر اپنی ذات ہی تک بات محدود ہو تو خیر۔ لیکن یہاں پر تو یہ ہے۔ کہ جس طرح ایک شخص نے جناب کو وہاں سے یہاں تک پہنچایا ہے۔ اسی طرح سے اب آپ اس محسن مسیح ہاں جان سے پیارے اور عزیز مسیح موعود کی عمر بھر کی محنت سے بنائی ہوئی جماعت کو اس حالت میں لیجانیکی کوشش کر رہے ہیں۔ جسپر کہ آپ پہنچے ہیں کیا ایک جنت کے دروازہ پر پہنچے ہوئے شخص کو دوزخ کی طرف لے جانا لیجانیوالے کے لیے معمولی بات ہے۔ جس سے دل نہ دھڑکے۔ اور بدن نہ کانپے۔ خدا ہے اور ضرور ہے۔ سیدنا میرزا صاحب خدا کے [illegible] اور یقیناً ہیں۔ بغیر ان کی اتباع کے نجات نہیں۔ اور یقیناً نہیں۔ مولوی صاحب

اس وقت کا خیال کریں۔ جبکہ خدائے ذوالجلال کے سامنے آپ پیش ہوں۔ اور خدا کا پیارا مسیح موعود عرض کرے کہ خداوند تعالیٰ میں نے اس کو حق بتایا۔ اور اس نے قبول کیا۔ پھر میں نے اس کو اپنے گھر میں رکھا۔ اور بہت پیار اور عزت کے ساتھ رکھا۔ اور اس کے ساتھ بہت احسان کئے اور اس کو بہت کچھ اپنی جماعت پر اعزاز اور اختیار دیئے۔ اور کثرت کے ساتھ اس نے نشانات دیکھے۔ اور میرے طرز عمل اور منشاء کا پورے طور پر واقف ہوا۔ لیکن میرے جُدا ہونے کے بعد اس نے یہی نہیں کہ میری عزت اور اہلبیت کے ساتھ اور میرے خلیفہ کے ساتھ عداوت کی۔ اور میرے طریق کو اور میرے قائم کردہ مرکز کو چھوڑا۔ بلکہ میری قائم کردہ جماعت، میں تفرقہ ڈالا۔ اور بیسیوں کو اس طریق سے برگشتہ کیا۔ اور اپنی ساری طاقت اور سب وقت میری جماعت کے لوگوں کے میرے طریق سے پھیرنے پر صرف کیا۔ یہاں تک کہ بعض کو وظائف اور تنخواہیں دے کر برگشتہ کیا۔ پر جب وہ برگشتہ ہو گئے۔ تو پھر ان کی کچھ پروا نہ کی۔ یہاں تک کہ بعض ان میں سے عیسائیوں میں جا ملے گئے۔ اور بعض جن غیر احمدیوں سے بھاگ کر قادیان میں آئے تھے۔ وہ انہی غیر احمدیوں میں واپس چلے گئے۔ مولوی صاحب وہ وقت بحث کا نہ ہوگا کہ اس قدر کہہ دینا کافی ہو۔ کہ "میاں محمود احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ وعافاہ ورضی عنہ وارضاہ و اوصلہ الی مایحبہ ویرضاہ) تبدیلی عقاید کی وجہ سے سب کچھ ہوا ہے" کیونکہ اوّل تو بحث میں بھی یہ ثابت کرنا بہت مشکل ہے۔ آپ کی طرف سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اور حضرت میاں صاحب نے کی ہے۔ دوم پھر اس سے بڑھ کر یہ ثابت کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ کہ آپ کی علیحدگی کا باعث حضرت میاں صاحب ہی ہوئے ہیں۔ بارہا میں نے یہ بات پیش کی ہے۔ کہ اگر حضرت میاں صاحب کا غیر احمدیوں کو کافر کہنا اس تفرقہ کا موجب ہوا ہے۔ تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ لاہور میں جا کر جب خلفاء مسیح موعود مقرر کئے تو قادیان کے لئے حضرت میاں صاحب کو خلیفہ مقرر کیا۔ اور لکھا کہ وہ بھی پاک نفس رکھتے ہیں۔ حالانکہ جو شخص مسلمانوں کو کافر کہکر کافر بنتا ہے وہ کب پاک نفس والا اور خلافت جیسے مقدس عہدے کا اہل ہو سکتا ہے۔ اگر فی الواقعہ یہی مسئلہ موجب تفرقہ ہوتا تو اول میاں صاحب کو خلیفہ ہی نہ بنایا جاتا۔ اور اگر کسی مجبوری سے بنانا بھی تھا۔ تو ساتھ یہ شرط ضرور ہوتی کہ بشرطیکہ مسلمانوں کے کافر کہنے سے توبہ کریں۔ اسی

طرح جب وفد بھیجنے کی تجویز ہوئی۔ اور اخبار میں اس کی نسبت لکھا تھا کہ وفد اس غرض کے لئے
جاویگا۔ کہ اگر میاں صاحب یہ لکھ دیں کہ پرانے احمدیوں سے بیعت نہ لینگے۔ اور دوم صدر انجمن احمدیہ
پر حکومت نہ کرینگے۔ تو پھر ہم ان کو تسلیم کر لینگے۔ اور انہیں یہ شرط نہیں لکھی تھی کہ بشرطیکہ وہ
مسلمانوں کو کافر کہنا چھوڑ دیں۔ کیا امیر المومنین کے لئے اسلام میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا
یا کیا حضرت میاں صاحب نے اپنی توبہ شائع کر دی تھی۔ پس خلیفۃ المسیح اور امیر المومنین بنائے
ہوئے اور اور شرائط کا ذکر کرنا مسلمانوں کو کافر کہنے کی شرط کو پس پشت ڈال دینا یہ صاف
بتاتا ہے۔ کہ موجب تفرقہ یہ عقاید نہیں۔ بلکہ اس کے موجب وہی امور ہیں جن کی شرط لگائی ہے
یا وہ امر ہے جس کے حصول کے لئے یہ شرائط ہیں۔ مگر میاں صاحب کے عقاید اس کے موجب
ہرگز نہیں۔ اور آج دن تک کسی نے اس کا جواب نہیں دیا۔ مگر مولوی صاحب! وہاں پر اس بحث
کی گنجائش ہی نہ ہوگی۔ مولوی صاحب! اسوقت نہ امیر القوم کا لقب کام آئیگا۔ نہ خواجہ صاحب
کی دانائی۔ اور نہ شیخ صاحب کی دولت۔ اور نہ شاہ صاحب کا جوش اور لڑنا اور نہ حکیم صاحب
کی بحث اور تنسیخ کی داستانیں۔ نہ غیر احمدیوں کی ثروت وجاہت امداد و اعانت۔ اور نہ ان کی
کثرت اور نہ ان کی سیاست دانی۔ مولوی صاحب خدا کیلئے ضرور سوچیں کہ اس پیارے مسیح موعود
کے اس سوال کا جواب علیم و قدیر خدا کے سامنے آپ سے کیا ہوگا۔ مولوی صاحب! چھوٹا آدمی
جب کسی بڑے انسان کو ایسی باتیں کہتا ہے۔ تو عام طور پر اس کو گستاخی اور بے ادبی قرار دیکر
بڑا شخص ناراض ہو کر جوش میں آجاتا ہے۔ مگر مولوی صاحب یہ بھی تو احتمال ہے کہ یہ [illegible]
گستاخی اور ناقدر شناسی کی وجہ سے نہ ہو۔ بلکہ دلی ہمدردی اور محبت کے جوش [illegible]
اگر ایسا ہی ہو۔ اور اس کو گستاخی قرار دیکر ناراض ہو جائیے۔ تو پھر اس کا نتیجہ [illegible] ناگوار
ہوگا ؂

درانیوں کے زمانہ میں کشمیر کا صوبہ دار آزاد نام تھا۔ جو باغی ہو گیا تھا۔ تو کابل کی امارت نے
سلطان ناصر الدین کو فوج دیکر اس کی تسخیر کے لئے بھیجا۔ جو کہ اس کے ہاتھ سے تنگ آکر
کشمیر سے بھاگ کر کابل چلا گیا تھا۔ جب وہ فوج لے کر دریائے جہلم سے پار ہوا۔ تو ایک رئیس
نے جو کہ آزاد کا خیر خواہ تھا۔ بڑی مشقت سے اپنے آپ کو آزاد تک پہنچایا۔ اور اس کو کہا

کہ ناصر الدین بھاری فوج لیکر کابل سے فلاں مقام پر آگیا ہے۔ اور اس کا مقابلہ بہت مشکل ہے۔ ہاں فلاں تدبیر کی جائے۔ تو پھر کامیابی کی امید ہے۔ اسپر آزاد کو غصہ آگیا۔ کیونکہ پہلے بھی کئی دفعہ فوج کے آنے کی افواہ غلط ہو چکی تھی۔ تو آزاد نے اس اپنے خیر خواہ کو یہ بدلہ دیا۔ کہ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر دیار کے ایک درخت کا سر کاٹ کر اس کو اسپر کھڑا کیا۔ اور پاؤں میں مضبوط کیل گاڑ دیئے۔ اور حکم دیا کہ رات اور دن ناصر الدین کی فوج کو دیکھتے رہو۔ چنانچہ امن کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ فوج اس کے مکان کے پاس آگئی۔ اور اپنی جان کے خوف سے کسی نے اطلاع نہ دی۔ یہاں تک کہ جب مکان کا محاصرہ ہو چکا۔ تو فوج اور سواروں کی گونج سنکر خود آزاد نے وزیر سے دریافت کیا۔ کہ یہ کیسی آواز ہے۔ تو اس نے جواب دیا کہ تمہاری بدقسمتی کی۔ یہ جواب سنکر خود ہی سمجھ آگئی۔ اور کہا کہ کیا کابل کی فوج آگئی۔ اس نے کہا۔ ہاں پھر مشورہ دریافت کیا۔ تو وزیر نے کہا۔ اب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ بدرزہ کے راستہ سے نکل کر سوپور پہنچ جاؤ۔ اور سوار ہو کر بھاگ جاؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ لیکن شہر بارہ مولہ کے پاس پکڑا گیا۔ اور قتل ہو کر اپنی سزا کو پہنچا۔ مولوی صاحب! میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ کہ میں کسی جوش اور گستاخی اور بے ادبی کے لئے نہیں۔ بلکہ محض اور خالص محبت اور ہمدردی سے یہ عرض کر رہا ہوں۔ جناب اس سے ناراض نہ ہوں۔ اور نہ جوش میں آئیں۔ بلکہ آرام سے ان نصیحت بھری معروضات پر غور فرمائیں۔ یہ ممکن ہے کہ انہیں سے کوئی بات غلط ہو۔ لیکن اسمیں شک نہیں کہ خالص محبت اور اخلاص سے اور خوف خدا کو مدنظر رکھ کر عرض کر رہا ہوں بات لمبی ہوتی جاتی ہے۔ میں اس کو مختصر کرتا ہوں۔ مولوی صاحب پہلے ایک دوست تھا۔ جو کہ اپنا مطلب نکالنے کے لئے آپ کو اپنے قابو میں کرنا چاہتا تھا۔ مگر اب اس کے رنگ میں رنگین شدہ چند اور با اثر دوست بھی مل گئے۔ اور پھر مولانا صاحب اور اہل بیت کی مخالفت میں ان کا اپنے آپ کو آپ کا معاون و مددگار ظاہر کرنا علاوہ اس طبعی تقاضا کے جو جناب کی طبعیت میں اپنے دوست کی طرف سے زیادہ گردیدہ ہونے کا تھا۔ بہت زیادہ اثر کر گیا۔ کیونکہ انتقامی تقاضا کبھی حد سے زیادہ تھا۔ اور پھر ایک دوست کی بجائے اب دوست بھی بہت تھے۔ تو اب جناب کی طبعیت پر غیر معمولی اثر ہونے لگا۔ کیونکہ مؤثر زیادہ اور قوی ہو گئے

چنانچہ بجائے مقابلہ اب تائید تھی۔ بلکہ بعض اوقات خود پیش رو ہونے لگے ۔

تو جب اس دوست نے دیکھا کہ اب یہ میرے رنگ میں رنگین ہو گئے ہیں۔ تو وہ اپنے مقصد پر جا بیٹھا۔ اور اپنا بوجھ یعنی احمدیت کی حقیقت بدل کر ایسی بنانا کہ لوگوں کو اس سے نفرت نہ رہے۔ اور اس سے احمدی کا نام بھی قائم رہے۔ اور جتھہ بھی ساتھ رہے۔ اور غیروں میں بھی جا ملیں، آپ کی گردن پر ڈال دیا۔ اور آپ صاف صاف علیحدہ ہو گیا۔ مولوی صاحب یہ خیالی باتیں نہیں۔ بلکہ واقعات ہیں۔ جناب اس زمانہ پر غور فرمائیں۔ جبکہ اخبار وطن والی تجویز ہوئی وہ ابتدائی زمانہ تھا۔ اور وہ تجویز اس کی قائم کردہ سکیم کا شروع تھا۔ مجھے وہ وقت خوب یاد ہے۔ جبکہ اچانک حضرت مسیح موعود آپ کے حجرہ میں آ گئے۔ اور آتے ہی فرمایا کہ مولوی صاحب میں آپ سے ایک بات دریافت کرتا ہوں۔ کہ اسلامی رسائل بہت کچھ شائع ہوئے۔ مگر ان کا غیر مذاہب پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور آپ کے رسالہ کا اثر مخالفوں نے بھی مانا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ کیا مُردہ اسلام وہ نہیں پیش کرتے۔ تو اگر آپ کے رسالہ میں بھی مجھے نہ پیش کیا گیا۔ اور مردہ اسلام پیش کیا گیا۔ تو اس کا کیا اثر ہو گا۔ تو آپ نے اسوقت یہی جواب دیا کہ حضور میں نے بھی خواجہ صاحب کو یہی کہا تھا۔ اور میں تو اس تجویز کا مخالف ہوں۔ صرف خواجہ صاحب ہی نے اس کو پسند کیا ہے۔ اور وہی اس پر زور دے رہے ہیں۔ تب حضور نے خواجہ صاحب کو خط آپ سے لکھوایا تھا۔ پس اس وقت تو آپ نے یہی ظاہر کیا تھا۔ کہ مجھے یہ تجویز پسند نہیں مگر اب دیکھیں کہ خواجہ صاحب اور جناب اس تجویز پر کھلے کھلے عامل ہیں۔ اور یہ وہ زمانہ تھا کہ جس میں آپ کے اُستاد نے آپ کے سواء اور بھی بہت سے لوگوں کو اپنا ہمرنگ و ہم آہنگ بنا لیا تھا۔ گو سب سے زیادہ اس کی توجہ آپ ہی کی طرف مبذول تھی۔ کیونکہ آپ سے اس نے وہ کام لینا تھا۔ جو کہ اوروں سے نہیں لے سکتا تھا۔ ع ایں کار از تو آید یاراں چنیں کنند۔ چنانچہ اپنی شاگردوں میں سے ایک ڈاکٹر عبد الحکیم بھی تھا۔ جس کو اُستاذ ازلی نے اپنی ساری سکیم سکھلا اور بڑھا دی تھی۔ جس کو انشاء اللہ تعالیٰ آگے چلکر اس کی تحریروں سے صاف صاف بتاؤں گا۔ لیکن کچھ تو وہ جوشیلا تھا۔ اور پھر اپنے اُستاد سے دور تھا۔ اس لئے وہ حوصلہ سے کام نہ لے سکا۔ اور اس سکیم کے ایک ہی سبق بلکہ ایک ہی سبق کی ایک ہی شاخ کے دو کنے پر

(جبکہ استاد نے اسکو شروع کرادیا تھا) جوش میں آکر مقابلہ اور گستاخی پر اور پھر باقی اسباق سکیم کے اظہار پر اُتر آیا۔ اور خدا کے مسیح نے اسکو جماعت سے کاٹ دیا۔ چنانچہ عبد الحکیم مرتد نے ذکر الحکیم نمبر ۴ میں وہ ساری خط و کتابت شائع کی ہے۔ اور اس کی تمہید میں لکھا ہے۔ کہ جب مولوی انشاء اللہ خان صاحب ایڈیٹر الوطن کی تحریک پر مولوی محمد علی و خواجہ کمال الدین صاحبان وغیرہ نے یہ تجویز پاس کی۔ اور شائع کی کہ ریویو آف ریلیجنز قادیان میں عام اسلامی مضامین شائع ہوا کریں۔ اور خاص میرزا صاحب کے متعلق اشتہار علیحدہ ضمیمہ میں شائع ہوا کریں۔ جنکو خاص مُریدوں کے نام جاری کیا جائے یا دیگر ایسے اشخاص کے نام جو اس کے خواستگار ہوں۔ تو اس تجویز کی اشاعت سے میرا دل قدرے ٹھنڈا ہوا۔ اور میں نے کہا کہ ہماری جماعت میں عالی خیال اور عالی ظرف لوگ بھی ہیں۔ اور اب یہ کام قرآنی رنگ اور خدائی آئین پر چلیگا۔ اور ہمارا پیغام احسن اور بلیغ صورت میں تمام دنیا کو پہنچیگا۔ مگر وہ تمام خوشی خاک میں مل گئی۔ جب پکے مرزائیوں یا مرزا کے شیدائیوں نے اس تجویز کے خلاف شور مچانا شروع کیا۔ اور وہ تجویز خاک میں مل گئی۔ مولوی محمد علی صاحب کو مرزائیوں کا شور دبانے کی غرض سے اپنے اقرار اور عقائد شائع کرنے پڑے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

انہی ایام میں مَیں نے تین ماہ کی رخصت استحقاقی کے لئے درخواست پیش کردی۔ اور دل میں آرزو تھی۔ کہ قادیان میں پہونچ کر خالص قرآنی مضامین اور اسی کی ترتیب اور تناسب پر لیکچر دیا کروں گا ...... مگر میں زیادہ صبر نہ کر سکا۔ اور مضامین ذیل پر ایک خط میں نے حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں نہایت بیقراری اور جوش کی حالت میں لکھا ... وہ خط ذیل میں درج کرتا ہوں :-

"حضرت مسیح الزمان۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ" ...... اسوقت مَیں چند امور کی طرف جو نہایت ضروری ہیں۔ آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ ...... دوم یہ کہ جو تجویز انشراح صدر اور عالی ظرفی سے مولوی محمد علی اور خواجہ کمال الدین صاحب نے شائع کی تھی ...... اس سے ہمارے مشن کی تبلیغ بہت دیانت داری اور عمدگی سے پھیل سکتی ہے"

اب اس تمہید اور خط نمبر ۱ کی منقولہ بالا عبارت سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ تباہ کن خطوط

پر آمادہ کرنیوالی چیز استاذ صاحب کی وہ جاری کردہ تجویز تھی - جو کہ رسالہ میگزین کے متعلق ایڈیٹر الوطن کے ساتھ قرار پائی تھی - اور یہ تجویز ناواقفوں کی نظر میں گو معمولی سی نظر آئے - مگر استاذ نے اپنی سکیم کا ایک نہایت اہم مسئلہ اس کے ذریعہ سے حل کرنا چاہا تھا - اور وہ یہ تھا - ساری سکیم کا نہایت مختصر خلاصہ تھا - کہ میرزا صاحب نے ہم کو ایسا تو ضرور بنا دیا ہے کہ جہاں اور جس قوم و مذہب میں ہم جائینگے - وہ لوگ ہم کو استاذ اور پیر کی جگہ دینگے مگر مشکل یہ ہے کہ احمدیت سے لوگ بھاگتے ہیں - لہذا اول تو احمدیت کو ایسی صورت میں بلا جائے کہ آئندہ نفرت نہ ہو - دوم جو جو امور ان کو ہم سے علیحدہ کرتے ہیں - ان کو آہستہ آہستہ بالکل نکال دیا جائے - اور پھر جو جو امور کہ اس خط سے نا تیع ہوں - ان کو مٹا دیا جائے مگر احمدیت کا نام ضرور ہے - ورنہ مسلون المزاج قرار پاکر اور مرتدین کی مانند نظروں سے گر جائینگے - اور طریق یہ تھا - کہ جس بات کو شروع کرو - اگر چل جائے تو بہتر ورنہ پھر دب جاؤ - اور وقت کے منتظر رہو - اور سب سے زیادہ نفرت دلانے اور دور کرنے کا موجب سیدنا حضرت مسیح موعود کا نام اور ذکر اگر ہمارے لیکچر میں ہے تو کوئی رونق اس مجلس کی نہیں - اگر ہماری کتاب اور رسالہ میں ہو تو اس کو کوئی لیتا نہیں - اخبار ہو تو اس کا قدم احمدیوں سے باہر نہیں اُٹھ سکتا - اور احمدیوں میں یہ نادانی ہے کہ جس میں میرزا کا نام اور ذکر نہ ہو وہ شور ڈالنا شروع کر دیتے ہیں سو اگر حضرت میرزا صاحب کے وقت میں کسی ایک رسالہ یا اخبار وغیرہ سے میرزا صاحب کا نام نکال دیا جائے تو پھر ہم سب سے اسکو آسانی کے ساتھ نکال دینگے - چنانچہ اسی وجہ سے ریویو آف ریلیجنز کی نسبت بڑے دور و دراز اور ہیر و پھیر سے سلسلہ سخن چلا کر یہ تجویز پاس کی گئی کہ اسمیں عام اسلامی مضامین ہوں - اور میرزا صاحب کا نام اور ذکر اسمیں کبھی بھی نہ ہونا پائے - مگر احمدیوں کے شور کا خطرہ تھا تو اس کو یوں دبانا چاہا - کہ آپ کا ذکر ضمیمہ میں ہو جس کو احمدی خریدیں ❊

اور یہ میں نے یونہی نہیں کہا بلکہ استاذ کی زبانی بہت سے واقعات کی نسبت ایسا سنا ہے کہ میں نے میرزا صاحب کے وقت انکی نسبت کوشش کی تھی تاکہ ایک دفعہ آپ سے کچھ فتویٰ اور حکم حاصل ہو جائے - پھر آگے سب کچھ میں خود کر لوں گا ❊

چنانچہ مجھے بخوبی یاد ہے۔ کہ جب سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کا وصال ہوا۔ اور جنازہ
باغ میں رکھا گیا۔ تو باغ ہی میں ایک درخت کے سہارے پر کھڑے ہو کر استاذ صاحب لوگوں کو
بیماری اور وصال اور راستہ کے حالات سنا رہے تھے۔ تو جب وہ باتیں ختم ہوئیں۔ اور پانی وغیرہ
پینے کے لیے سب لوگ قادیان کی طرف چلنے لگے۔ تو آپ نے ان باتوں کے خاتمہ پر کہا کہ "دھن
ہے مرزا کہ ہم نے بھی ناخنوں تک زور لگایا کہ سود کی کوئی ایک صورت تو حلال کر دے۔ پھر باقی
کو ہم خود درست کر لینگے۔ لیکن باوجود اسقدر ہیر پھیر اور کوشش کے تو نے ایک بھی نہ مانی"
پس جو شخص سود جیسی حرام قطعی کے حلال کرنے میں طرح طرح کے حیلوں اور پیچوں کے ساتھ اپنے
اس پیشوا سے فتویٰ حاصل کرنیکی کوشش کرتا ہے۔ جس کو وہ مانتا ہے۔ کہ خدا نے اسکو امام
اور حکم عدل بنا کر ساری دنیا کے لئے بھیجا ہے۔ اور جس کی نسبت یہ اعتقاد ہے کہ ایمان ثریا
سے اور قرآن مجید آسمان پر اٹھ گیا تھا۔ اور وہ دونوں کو دوبارہ لایا ہے۔ اور پھر کرتا بھی اس نیت
سے کہ باقی صورتوں کو ہم خود ہی حلال اور درست کر دینگے۔ وہ اپنی اغراض کے حاصل کرنے میں
ایسا کیوں نہ کرتا ہوگا۔ ہمیں یاد ہے کہ آئے دن جناب شیخ رحمت اللہ صاحب تاجر کی معرفت
کوئی نہ کوئی پیچیدہ صورت سود کی پیش کر کے جواز کا فتویٰ مانگا جاتا تھا ؛
اور یہ جو میں نے لکھا ہے۔ کہ ڈاکٹر عبد الحکیم اپنے استاذ سے دور ہونے کی وجہ سے
جوش میں آکر پھوٹ پڑا۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ اگر استاذ پاس ہوتا۔ تو کبھی بھی وہ اسکو یہ خلاف لکھنے
دیتا۔ مولانا یہ فرضی باتیں نہیں جناب تو خود صاحب تجربہ ہیں۔ جناب کو بخوبی یاد ہوگا۔ کہ جب
حضرت مسیح موعود کے وصال کے بعد خدا کے اس ہاتھ نے (جو خلیفہ بنایا کرتا ہے) حضرت مولوی
نور الدین صاحب کو اسی استاذ اور اس کے بعض شاگردوں سے درخواست اور اصرار کرا کے خلیفہ
بنا دیا۔ جو کہ اپنی سکیم کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کے بعد آپکے خلیفہ کو سخت ترین مانع یقین
کرتا تھا۔ اور انہی کے دستخطوں سے اشتہار بھی دلا دیا کہ آپ خلیفہ ہوئے ہیں۔ اور ہم نے
انکی بیعت کر لی۔ آپ بھی جلد ان کی بیعت کریں۔ اور آپ کا حکم ہمارے لئے ویسا ہی واجب الاتباع
ہو۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا تھا۔ تو جب خدا نے اپنا کام پورا کرا دیا۔ تو ان کو پھر اپنی
سکیم اور خلیفہ کے سخت ترین مانع ہونے کا خیال آیا۔ تو معاً یہ کہنا شروع کیا۔ ہم سے بڑی

غلطی ہوگئی ہے۔ مگر اب اس کا اور کوئی تدارک نہیں ہو سکتا۔ ایک یہی ہے کہ اس کے اختیارات کو محدود کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی وقت سے قوم میں یہ خیال پھیلانے کی کوشش شروع کی گئی کہ سیدنا حضرت مسیح موعود کی جانشین انجمن ہے۔ اور خلیفہ اس کے حکم کے ماتحت ہے اور زیادہ سے زیادہ اس کا درجہ یہ ہے کہ وہ اس انجمن کا پریزیڈنٹ ہو۔ جس کا کام امامت نماز و جنازہ اور نکاح پڑھنا اور بیعت لینا ہے اور بس۔ چنانچہ سیدنا حضرت مسیح موعود کے وصال کے بعد جو پہلا جلسہ ہوا ہے۔ اسمیں قریباً سب ممبران مجلس کی تقریریں خلاف معمول سابق ہوئیں۔ اور ان سب کا موضوع بعنوان مختلف یہی ایک امر تھا۔ البتہ سید محمد احسن صاحب کی تقریر اسکے خلاف میں ہوئی۔ اور سیدنا حضرت میاں صاحب بھی گو ممبر تھے۔ مگر ان کی تقریر قرآن مجید کے ایک اہم ترین مضمون پر تھی۔ اور اس میں اس امر کا کوئی ذکر اور اشارہ تائید یا تردید کے رنگ میں نہ تھا۔ تو جب اس کا بہت چرچا ہوا۔ تو کسی نے بطور سوال یہ معاملہ حضرت خلیفۃ المسیح ؑ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس پر آپ نے جماعت کے اہل علم و اہل الرائے لوگوں سے اس سوال کا تحریری جواب مانگا۔ اور پھر ایک تاریخ فیصلہ کیلئے مقرر کر کے اس پر باہر کے بہت سے اصحاب کو مدعو فرمایا۔ مولانا! وہ نظارہ جناب کو اچھی طرح سے یاد ہوگا۔ کہ لاہور سے جو چند اصحاب مدعو تھے۔ وہ کس قدر کثیر مجمع اپنے ساتھ لیکر کس جوش و خروش کے ساتھ قادیان میں وارد ہوئے تھے۔ اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح نے جو فیصلہ کے لئے وقت مقرر فرمایا تھا۔ اس کے آنے سے پہلے پہلے کس جوش سے یہ پارٹی کام کر رہی تھی۔ مولانا آپ کو یاد ہوگا۔ جبکہ آپ کے کمرہ میں یہ سب ارکان جمع تھے۔ اور جناب استاذ صاحب آرام کرسی پر نیم دراز اخبار پڑھ رہے تھے۔ اور جگہ کی تنگی کے باعث جناب اور مفتی صاحب منبر پر رونق افروز تھے۔ پہلے جناب منشی صاحب نے رات کے اس جلسہ کا حال سنایا۔ جو کہ جناب یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم کے مکان پر ہوا تھا۔ تو اسمیں جب یہ ذکر آیا کہ پہلے شیخ صاحب نے تقریر کی۔ اس پر شیخ ...... صاحب نے اعتراض کیا۔ اور اسکی تائید عبد الحی عرب صاحب نے کی۔ تو سب نے بڑی توجہ سے یہ شیخ ...... کا اعتراض دوبارہ سنا اور داد دی کہ یہ شیخ ...... تو بہت اچھا شخص معلوم ہوتا ہے۔ تو اس پر جناب کے جوش محبت سے آنسو بھر آئے۔ اور فرمانے لگے۔ میں تو ہمیشہ کہتا رہتا ہوں کہ یہ ایک ہی شخص ہے

جو کہ بڑا ہوشیار اور نہایت ہی وفادار رہی۔ چنانچہ پانچ روپے تو شیخ صاحب کے لئے اسی وقت تجویز ہو گئے
اور حافظ عبدالرحیم مرحوم کے پنڈال جلسہ نہایت محنت سے تیار کرنے کا جو انعام تھا وہ بھی شیخ صاحب
کی طرف منتقل ہو گیا۔ اس کے بعد جلسۂ شب کا سب واقعہ حسب خیال ختم ہو گیا۔ جسمیں یہ بھی سنایا گیا تھا کہ
جلسہ اس اتفاق پر ختم ہوا کہ ہمیں خود کوئی فیصلہ نہ کرنا چاہیئے۔ کل خلیفۃ المسیح اسبارہ میں جو
فیصلہ فرمائیں۔ اسپر ہمیں کاربند ہو جانا چاہیئے اور بس۔" تو شیخ رحمت اللہ صاحب اور ہر دو
ڈاکٹر صاحبان نے کہا کہ ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ "ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جو کچھ خلیفہ فیصلہ کریگا۔
ہم اسپر کاربند ہونگے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ خدا نے ہمیں جمہوریت پسند خلیفہ دیا ہے۔ جسکی نسبت
ہم کو یقین ہے کہ وہ کبھی یہ فیصلہ نہیں کریگا کہ خلیفہ حاکم اور انجمن اس کے ماتحت ہو۔ بلکہ وہ ضرور
ہی انجمن کو حاکم ٹھہرائیگا۔ تو اس کو سنکر استاذ صاحب جنبش میں آکر کرسی پر یہ بار بار کہتے ہوئے
سیدھے بیٹھ گئے کہ "اچھا پھر ایک "بندہ" ہی باقی رہ گیا" تو شیخ صاحب نے ڈبل قہقہہ لگا کر
فرمایا۔ ..... صاحب رمزوں ہی میں باتیں نہ کیا کرو۔ اس کو ہم کیا سمجھیں کہ "اچھا پھر میں
ہی اکیلا رہ گیا" تو آپ نے کہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم تو سب کہتے ہو کہ "مولوی صاحب
کل جو فیصلہ کرینگے ہم بھی ضرور اس کو قبول کریں گے اور اسپر چلیں گے" لیکن میں اکیلا یہ
کہتا ہوں کہ اگر مولوی صاحب اس کے مطابق فیصلہ کرینگے۔ جو کہ ہمیں حق معلوم ہوتا ہے
کہ انجمن حضرت صاحب کی جانشین ہے۔ اور خلیفہ اس کے تابع اور اس کا مقرر کردہ ہو۔ تب تو
میں خلیفہ کے فیصلہ کو مانوں گا۔ اور اگر وہ اس کے خلاف یہ فیصلہ کریگا۔ کہ انجمن خلیفہ کے
تابع اور وہ اسپر حاکم ہے۔ تو پھر میں ہرگز اسکے فیصلہ کو نہیں مانوں گا۔ کیونکہ الوصیت میں ہم
کو وصی مقرر کیا گیا ہے۔ اور ہم نے اسوقت اسکو قبول کیا ہے۔ پس گویا ہم نے حضرت صاحب
کے ساتھ ایک معاہدہ کیا ہے۔ اور قانون معاہدات کی رو سے بعد کا کوئی معاہدہ جو پہلے
کے خلاف ہو وہ لازم الایفا نہیں ہوتا۔ ہاں میں مقابلہ نہیں کروں گا۔ پر کام چھوڑ کر لاہور
جاکر بیٹھ جاؤں گا۔ اور اگر تم یہ کہو کہ پھر چندہ کوئی نہیں دیگا۔ تو ہم کام کس طرح چلائینگے۔ تو
یہ غلط ہے۔ ہم خدا کے فضل سے ان کاموں کو خود چلا سکتے ہیں۔ لوگ بیشک ہم کو
چندہ نہ دیں" مولانا دیکھیں۔ اس آخری بات سے کس قدر جوش اور عزم معلوم ہوتا ہے۔ پھر

اس دن تو جو خلاف خیال رکھنے والا کوئی قادیان کا آدمی ملا۔ اس کو خوب گالیوں سے خبر لیتے رہے۔ یہاں تک کہ واجب الاحترام حضرت نانا جان میر ناصر نواب صاحب جن کو "قبلہ" بھی کہا جاتا تھا۔ ان کی تو وہ خبر لی گئی کہ شیخصاحب گندی گالیوں پر اتر آئے۔ اور اگر وہ بھاگ کر حضرت مسیح موعود کے دار میں نہ گھستے۔ تو شاید زدو کوب تک نوبت جا پہنچتی۔ پھر سب سے زیادہ حیرت افزا نظارہ اسوقت تھا۔ جبکہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے صبح کی نماز پڑھائی۔ اور آپ پر نماز میں ہی الہامی حالت پیش آئی۔ اور بطور القاءِ ربانی آپنے سورۂ بروج نماز صبح میں خلاف معمول نہایت جوش اور بلند آواز سے پڑھی۔ یہاں تک اس کا اثر ہؤا کہ حضرت خلیفۃ المسیح خود بھی رو رہے تھے۔ اور سب مقتدی بھی زار زار رو رہے تھے۔ اور مسجد رونے کی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ اور صاف صاف وہ ایک خدائی تصرف معلوم ہو رہا تھا۔ چنانچہ جب آپنے یہ آیت پڑھی کہ انّ الذین فتنوا المؤمنین والمؤمنات ثم لم یتوبوا فلھم عذاب جھنم ولھم عذاب الحریق۔ تو دل موم کی طرح پگھل گئے۔ اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اب کسی دل میں خلافت کے خلاف کوئی منصوبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ مگر جونہی حضرت مولوی صاحب نماز کے بعد گھر میں تشریف لے گئے۔ تو استاذ صاحب نے یہ لیکچر شروع کر دیا کہ وہ اب حضرت مولوی صاحب کوئی اور تقریر نہیں فرمائینگے۔ جس کی نسبت آپ نے آج کا وعدہ اور اعلان فرمایا ہؤا تھا۔

اس تقریر کے قائم مقام یہی آیتیں ہیں۔ جو آپنے نماز میں پڑھی ہیں۔ اور ان کو پڑھ کر آپنے ہم کو یہ وعظ فرمایا ہے کہ دیکھو مؤمنوں کا ایک امر پر اتفاق تھا۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ انجمن حضرت مسیح موعود کی جانشین ہے۔ اور سب جماعت اور خلیفہ پر حاکم ہے۔ اور خلیفہ اس کا مقرر کردہ اور اس کے ماتحت ہے۔ مگر بعض شریروں نے اس کے خلاف بات چھیڑ کر مؤمنوں میں تفرقہ اور فتنہ ڈال دیا۔ تو خداوند تعالیٰ ان شریروں کی نسبت فرماتا ہے کہ ان کے لئے عذاب جہنم ہے۔ پس مولوی صاحب نے جو وعظ کرنا تھا وہ کر دیا ہے اب اور کوئی تقریر نہ ہو گی۔ تم کو چاہیئے کہ اسی بات پر جم جاؤ۔ جس پر مؤمن تھے۔ اور کسی شریر کے کہے پر نہ جاؤ "۔

مگر نماز کے اندر عموماً خداوند تعالیٰ نے شرح صدر عطا کر دیا تھا۔ لہٰذا اکثر لوگوں نے نہایت
ہی تعجب اور حیرت اور نفرت سے اس کو دیکھا۔ اور ان پر اس کا جادو کچھ اثر نہ کر سکا۔ پھر اس
سے اس کے عزم جازم کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ کس قدر وہ اس پر تلا ہوا تھا۔ ڈاکٹر
یعقوب بیگ صاحب کو بھیجا۔ تو اس نے حضرت میاں صاحب کو یہ پیغام دیکر حضرت مولوی
صاحب کے پاس بھیجا کہ حضور بالکل اب غم نہ کریں۔ خدا نے بڑا فضل کر دیا ہے کہ آپ کی
دعاؤں سے سب کا اس پر اتفاق ہو گیا ہے۔ کہ انجمن ہی حضرت صاحب کی جانشین اور
سب پر حاکم ہے۔ اور خلیفہ اس کا بنایا ہوا اور اس کے حکم کے ماتحت ہے۔ حضرت میاں صاحب
نے نہایت حیرت سے اس پیغام کو سنا۔ آپ کب ایسا پیغام پہنچا سکتے تھے اس لئے بالآخر
میرزا صاحب خود ہی پہونچے۔ اور اسمیں غرض یہ تھی۔ کہ نماز والا اثر تو ہم نے لیکچر کے
ساتھ مٹا دیا ہے کہ بڑی صفائی کے ساتھ اس کے اُلٹے معنے کر دیئے ہیں۔ اور پہلے تو
کچھ مولوی صاحب کی جمہوریت پسندی سے امید بھی تھی۔ کہ ہمارے منشاء کے موافق تقریر
ہو۔ لیکن اب تو یقینی ہے۔ کہ تقریر ہوئی تو ہمارے خلاف ہوگی۔ لہٰذا جس طرح ہو۔
اس کو روکنا چاہیئے۔ اور ہم نے پہلے سے کہہ بھی دیا کہ اب کوئی تقریر نہیں ہوگی پس
اس کے روکنے کی یہی سبیل ہے کہ مولوی صاحب کو ڈرا کر تقریر سے باز رکھا جائے۔ اور وہ اس
طرح ڈر سکتا ہے۔ بلکہ ضرور ہی ڈر جائیگا۔ آخر مسجد کا مُلّا ہی ہے اسکو کہدیا جائے کہ سب قوم کا اتفاق تمہارے
خلاف ہو چکا ہے۔ اور ساتھ ہی ایسا بھی ظاہر کیا جائے کہ ابھی تمہارے اصل منشاء پر کوئی
مطلع نہیں ہوا۔ بلکہ اب تک سب یہی سمجھتے ہیں کہ تمہارا بھی یہی مقصد ہے۔ بلکہ نہایت
ہی اہم مقصد ہے۔ کہ اس کے خلاف بعض افراد کے یہ کہنے پر وہ کہ خلیفہ انجمن پر حاکم ہے
تم کو سخت ہم و غم اور رنج و الم لاحق ہو گیا ہے۔ مگر اس طرف یہ حال ہے کہ یہ پیغام سنکر
خدا کا پیارا فرماتا ہے۔ میاں یہ لوگ تو ہم کو بیوقوف سمجھتے ہیں مگر ہمارا خدا بھی وہ ہے
جس نے ہمیں کہدیا ہے کہ تو تقریر کر ہمارا فرشتہ تمہارے ساتھ ہو گا۔ اور اس کا نشان یہ
ہو گا کہ کوئی بھی تیری تقریر کا خلاف نہیں کر سکیگا۔ اور اگر کوئی کہے تو ہم اس کو ہلاک
کر دینگے۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحب نے تقریر فرمائی۔ یہاں تک کہ فرمایا کہ تم لوگوں نے

بڑا گناہ کیا ہے تو اس پر سب سے پہلے معذرت اور معافی کے خواستگار ہونیوالے وہی بزرگ تھے۔ جو اس قدر جھتہ تیار کر کے ساتھ لائے تھے۔ جو اس سے تھوڑا عرصہ پہلے اسی امر پر قادیان کے معزز مہاجرین اور واجب الاحترام لوگوں کی عزت اتار رہے تھے جو پہلے دن دوستوں کے اس مقولہ پر کہ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ کل جو فیصلہ مولوی صاحب کرینگے۔ ہم اس کو مانینگے"۔ یہ کہہ رہے تھے کہ اچھا پھر بندہ ہی ایک اکیلا رہ گیا" اور جو کل وصی بن رہے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اس کے خلاف فیصلہ ہوا۔ تو میں ہرگز نہیں مانوں گا۔ اور پھر جنھوں نے نماز والی آیتوں کی آج ہی صبح کے وقت تفسیر سنائی تھی۔ بلکہ جب حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنی تقریر میں توبہ کے لئے نئی بیعت کی شرط لگائی۔ تو مولانا! حضرت خلیفۃ المسیح نے آپ کی رکاوٹ کو محسوس کر کے فرمایا کہ مشورہ کر لو۔ تو وہی بزرگ آپ کو بھی نئی بیعت کے لئے تیار کر کے ساتھ لے گیا۔ اور بیعت کی۔ پھر یہ جلسہ برخاست ہونے پر ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب تو اپنے جوش کے باعث چند منٹ بھی قادیان میں نہ ٹھہر سکے۔ اور فوراً ہی لاہور کو روانہ ہو گئے۔ اور جناب نے اپنے کمرہ میں آکر استاذ کو ملامت کرنا شروع کر دیا کہ تم نے ہی پہلے خلیفہ بنانے کی کوشش کی۔ پھر اب بات شروع ہو گئی تھی۔ مگر تم نے ہی پھر ہم کو ذلیل کرایا۔ اور بیعت کرائی۔ میں اب یہاں پر ہرگز نہیں رہوں گا۔ اور اسی طرح اور بہت کچھ اظہار رنج و شکوہ کیا۔ یہاں تک کہ آپکے جوش کو کم کرنے اور یہ سمجھانے کے لئے (کہ ایسے کاموں میں تیزی اور جلدی اور جوش سے نقصان پہنچتا ہے۔ لہذا بڑے تحمل سے موقعہ کا منتظر رہنا چاہیئے۔ سو اب اگر مقصد حاصل ہو جائے تو بہتر۔ ورنہ پھر گبھرا کر اور عاجزی سے دوسرے موقعہ کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اور یہ کہ ہم نے زور لگا کر دیکھ لیا ہے۔ قوم مولوی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا گرانا آسان نہیں پر کوئی بڑی بات نہیں۔ بوڑھا آدمی آج کل گذرنے والا ہے۔ اب اسوقت کا انتظار چاہیئے) قریباً ایک ہفتہ اس کو آپ کے پاس رہنا پڑا۔ مگر پھر بھی آپ لوگوں میں جوش تھا۔ جونہی وہ کشمیر گیا۔ اور آئے دن کی تلقین میں وقفہ آیا تو جناب کو یاد ہو گا کہ انہی دنوں میں حکیم فضل دین صاحب مرحوم بھیروی کی حویلی کی فروخت پر آپ پھر خلیفۃ المسیح کے مقابلہ

اُٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ آپنے دیکھا کہ مولوی صاحب اگر دو ہزار پر سید کو حویلی دلواتے
ہیں تو حکیم کے بھائی سے ہم چھ ہزار تک لے سکتے ہیں۔ اور جب قوم کے آگے یہ معاملہ
رکھا جائیگا تو ضرور قوم ہمارا ساتھ دیگی کیونکہ ہم انجمن کو چھ ہزار دلاتے ہیں اور مولوی
صاحب ۲ ہزار تو قوم کب اپنا نقصان پسند کریگی پس اس وقت ہمیں فتح سے
ضرور زور لگانا چاہیئے یقیناً اس موقعہ پر ہم مولوی کو گرا لینگے۔ مولٰنا عبد المحیی عرب
کا واقعہ آپ کو یاد ہوگا اس کو ہم نے ہی آپ کے پاس بھیجا تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ
جب یہ فساد کھڑا ہو گیا تو ایک دن حضرت خلیفۃ المسیح ؑ نے نماز کے بعد سب کو کہا
کہ مَیں نے سمجھا تھا کہ فتنہ مر گیا ہے مگر اس نے پھر سر اُٹھایا ہے لہٰذا تم سب دعا کرو کہ
خداوند کریم اس کو کچل دے اور وہ پھر کھڑا نہ ہو سکے۔ اس پر ہم چند اشخاص نے
مشورہ کیا کہ جناب مولوی محمد علی صاحب کو ملکر کہنا چاہیئے کہ باز آجائیں چنانچہ
عبد المحیی عرب تیار ہوا۔ اور اس نے جاکر آپکو کہا کہ آپ اب جانے دیں جبکہ مولوی صاحب
سید کو وعدہ دے چکے ہیں تو آپنے فرمایا ہم تو ایک پیسہ بھی انجمن کا کسی کی وجہ سے
نہیں چھوڑینگے۔ تب اس نے کہا دیکھو یہ ایسا خلیفہ ہے کہ ہزار ہا روپیہ انجمن کو دے
چکا ہے آجکل ہی ایک کمرہ بنوا کر دینے کا اظہار کر چکا ہے اور کبھی کسی کا احسان بھی
اپنے پر رکھنے والا نہیں۔ کچھ عجب نہیں کہ اگر اس کی وجہ سے یہ روپیہ آپ
چھوڑ دیں تو شاید وہ اس سے دو چند انجمن کو دیدے۔ اس کے جواب میں
آپنے فرمایا ہم کسی کا روپیہ نہیں لیتے اور نہ انجمن کا روپیہ چھوڑتے ہیں۔ پھر اس
نے کہا دیکھو مولوی صاحب وہ خلیفہ ہے اگر اس طرح اس کی مخالفت کرینگے تو وہ
آپ کو جماعت سے خارج کر دیگا تو آپنے اس کا جواب دیا کہ میرا جماعت سے
نکالنا کوئی آسان امر ہے لنڈن اور امریکہ تک میرا نام ہے۔ غرضکہ اسی طرح
کے بہت سے سوال و جواب ہو کر وہ ناکام واپس آیا اور آپ مخالفت پر تُلے
رہے۔ مگر اُستاد کو جب کشمیر میں پتہ لگا ...... تو اس نے وہاں سے

بذریعہ تار اور خط آپ کو اس سے روکا اور لکھا کہ اگر آپ ایسا کر دو گے تو میں ساتھ
نہ دونگا۔ تب آپ باز آئے۔ مگر ایسے وقت کہ آپ کا کوئی احسان بھی نہ رہا کیونکہ
حکیم صاحب مرحوم کے بھائی کو مولوی صاحب کی ناراضگی کا علم ہو گیا تو اس نے
کہدیا کہ اب اگر مجھے وہ حویلی مفت بھی دیں تب بھی میں اس کو نہیں لونگا ؛

پھر جب استاد کشمیر سے واپس آیا تو اس نے ایک طرف تو تلقین کی کہ اب
بالکل مقابلہ نہ کرنا اور آخری وقت کا منتظر رہنا۔ مگر دوسری طرف دیکھا تو
میاں محمود احمد صاحب کی روز افزوں ترقی دیکھی۔ چند ایک جگہ آپ
لیکچر کے لئے تشریف لے گئے ہیں تو لوگوں میں بڑی تعریف ہو رہی ہے۔
خلیفۃ المسیح کی نظر بھی آپ ہی پر ہے۔ اپنی جگہ پر انجمن کا پریذیڈنٹ بھی آپ ہی
کو بنا دیا گیا ہے اور اپنی غیر حاضری میں آپ ہی کو امام نماز بھی مقرر کر دیا ہے
تو اس سے بہت کچھ خطرہ لاحق ہوا۔ خیر باہر جانے سے تو ایک ہی ہاتھ کے
ساتھ استاد نے روک لیا۔ ایک طرف خلیفۃ المسیح کی خدمت میں بڑی
تڑپ کے ساتھ عرض کی کہ حضور کو معلوم ہے کہ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ جب
کبھی باہر تشریف لیجاتے تو کس قدر مخلوق آپ کی خدمت میں ہوتی اور ایک
شان نظر آتی تھی۔ اور اب ان کے صاحبزادے ہیں اور ہم ان کو بھی
اسی نظر سے دیکھتے ہیں اور حضور معمولی جیسے لوگوں کی درخواست پر بھی اکیلے
باہر بھیجدیتے ہیں جو کہ بالکل ان کے خلاف شان ہوتا ہے اور اس سے
طبیعت پر بہت صدمہ ہوتا ہے۔ دوسری طرف حضرت ام المومنین تک
یہ پہنچایا کہ ہم کچھ کہہ نہیں سکتے مولوی صاحب بے پرواہ ہیں ساری دنیا
دشمنوں سے بھری پڑی ہے جو کہ برے سے برے ارادے رکھتے ہیں اور
مولوی صاحب میاں صاحب کو اکیلے باہر بھیجدیتے ہیں۔ جب تک وہ واپس
نہ آجائیں ہمیں آرام نہیں آتا۔ اور اس کے مقابلہ میں خود لیکچروں کے دورے

شروع کیئے اور ہر ایک جگہ پر آپ کی نسبت طرح طرح کے افتراء کر کے لوگوں کو بدظن کرنا شروع کیا جبتک استاد صاحب اس ملک میں رہے سب اسی تلقین پر قائم رہے مگر ابھی خلیفۃ المسیح اوّل زندہ ہی تھے کہ کسی کسی کام کے لئے انکو ولایت جانا پڑا اور وہاں پر پہنچکر آپنے بجائے اس کے کام کے اپنے کام کو آزمائشی طور پر شروع کر دیا۔ تو جونہی کچھ عرصہ کے لئے آپکے فیضان صحبت سے محرومی ہوئی تو پھر طبائع میں جوش بھر آئے اور حضرت مولویصاحب کی بقیہ چند روز زندگی کے بہت ہی طویل زمانہ نظر آنے لگا یہاں تک کہ صبر کا شیشہ چور ہو گیا اور اظہار حق لکھکر حضرت مولویصاحب کو خلافت سے اتارنے کا کٹپا کیا گیا۔ گو خدا نے ناکام رکھا ؛

ان سب واقعات سے یہ بات بخوبی روشن ہو جاتی ہے کہ کس طرح استاد کی موجودگی میں تحمل وصبر آجاتا تھا اور اس کی دوری اور غیبت میں جوش اور بے صبری غالب آجاتی تھی۔ اسی طرح ڈاکٹر عبد الحکیم نے بھی استاد کی دوری اور غیبت کے باعث بے صبر ہو کر یہ خط لکھدیا اور قریباً ساری سکیم کو ظاہر کر دیا۔ مولنا اب میں اسی کے خط سے اس سکیم کے کچھ اور حصے بھی درج کرتا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ جس سکیم پر اس وقت آپ عامل ہیں یہ اور ڈاکٹر مرتد والی سکیم ایک ہی استاد کی تیار کردہ ہے ؛

چنانچہ خط مذکور میں جن امور کی طرف توجہ دلائی ہے ان میں سے پہلا امر یہ لکھا ہے کہ دشمنان سلسلہ یہ نہیں جو لوگ ہماری تکذیب کرتے اور ہمیں صریحاً کافر کہتے ہیں ان کے ساتھ تو بیشک نماز نہیں ہو سکتی مگر جو لوگ ہمیں صریحاً کافر نہیں کہتے ان تمام کو کافر نہ سمجھا جائے بلکہ حسن ظنی سے کام لیا جائے۔ اور ان کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت دیجائے تاکہ ہماری تبلیغ آسان اور وسیع ہو سکے ؛

پھر امر دوم کی جس قدر عبارت اوپر درج ہوئی ہے اس سے آگے لکھا ہے۔

"قرآن مجید کی رو سے مدار نجات بھی اللہ پر ایمان اور اعمال صالحہ ہیں...... الغرض مدار نجات قرآن مجید نے توحید اور اعمال صالحہ کو رکھا...... پس جب بنائے نجات توحید اور تزکیۂ نفس ہوئی تو فروعات یا مؤیدات کی خاطر تمام کو اصل بنائے سے محروم کرنا سخت غلطی ہے" پھر صفحہ ۱۰ پر نوٹ زیرین میں لکھا ہے۔

"اور توحید اور تزکیۂ نفس کو ہی مدار نجات قرار دیتا ہے نہ کہ محمدؐ پر ایمان لانے کو یا مسیحؑ پر" پھر امر سوم میں لکھا ہے "آپ کا وجود خادم اسلام ہے نہ کہ وجود اسلام۔ پس اپنے وجود کی خاطر اصل اشاعت اسلام کو روکنا حکمت اور دانائی کے خلاف ہے"

پھر امر چہارم میں لکھا ہے: "عام حکمت کا یہ قاعدہ ہے کہ پہلے بڑے امراض کا علاج کیا جاتا ہے۔ ہلکی غذائیں دی جاتی اور قوی ثقیل غذاؤں سے پرہیز کرایا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ بڑے امراض سے صحت ہو جاتی ہے تب خفیف اور ضمنی امراض خود رفع ہو جاتے اور طبیعت معمولی غذاؤں کی خود متحمل ہوتی جاتی ہے۔ ایسا ہی اس وقت بہت سے سخت روحانی امراض پھیلے ہوئے ہیں جو وباء عالمگیر کی طرح مسلمانوں کو اور عام خلائق کو تباہ کر رہے ہیں اس لئے ان کے حسب برداشت اور حسب خواہش پہلے ہلکی غذا دینی چاہیئے اور اصل امراض کا علاج کرنا چاہیئے رفتہ رفتہ جب اور غذاؤں کی خواہش اور برداشت زیادہ ہوتی جائے تب نئی نئی غذائیں دینی چاہئیں یعنی پہلے اسلام کو عام صورتوں میں پیش کرنا چاہیئے رفتہ رفتہ علیٰ قدر عقول الناس جیسا کہ انبیاءؑ کا طریق رہا ہے اس کے اسرار اور معارف پیش کرنے چاہئیں" غرض کہ اسی قسم کے دس امور پیش کئے ہیں۔ مگر باقی سب ہی ان چار امروں کے متعلقات ہیں جن کو میں نے یہاں پر درج کیا ہے اور وہ یہ ہیں اوّل:- جو لوگ ہم احمدیوں کو صریحاً کافر نہیں کہتے انکو مومن مسلمان

سمجھا جائے اور ان کو کافر نہ کہیں۔ دوئم ۲۔ جو صریحاً ہمیں کافر نہیں کہتے ہیں انکے ساتھ یعنی انکے پیچھے ہم نماز پڑھ لیا کریں۔ اور دونوں کی علت یہ بیان کی ہے کہ تاکہ ہماری تبلیغ عمدہ اور وسیع ہو جائے۔ سوم ۳۔ نجات اور مؤمن مسلم بننے کی بناء ایمان باللہ اور تزکیۂ نفس پر ہے کسی شخص کے ماننے کو (خواہ وہ محمدؐ ہو یا مسیحؑ) اس بناء میں کوئی دخل نہیں پس جس طرح مؤمن کہلانے والے جب اللہ پر ایمان لائیں اور تزکیۂ نفس کریں تو وہ نجات پائینگے اسی طرح یہود۔ نصاریٰ۔ مجوس وغیرہ بھی جب اللہ پر ایمان لائیں اور تزکیۂ نفس کریں وہ نجات پائینگے اگرچہ وہ محمدؐ و مسیحؑ یا اکیلے محمدؐ یا بہت یا سب انبیاءؑ کو نہیں مانتے۔ چہارم ۴۔ جو تبلیغی رسالہ ہو اس میں عام اسلامی مضامین ہوں حضرت میرزا صاحب کا نام اور آپکا ذکر اس میں نہ ہو۔ ہاں ضمیمہ میں ہو جس کو احمدی خریدیں یا جو خواہش کرے۔ ۵۔ تبلیغ میں پہلے عام اور موٹے موٹے اصول اسلام پیش کیے جائیں۔ جب شرک کفر دور ہو کر ان میں اسلام کے موٹے موٹے مسائل پیدا ہو جائیں تو پھر انکو احمدیت کی دعوت آہستہ آہستہ دیجائے۔

مولنا اب اللہ ٹھنڈے دل کے ساتھ غور فرمائیں کہ کیا یہ چاروں امر اس سکیم کے اہم ترین اجزاء نہیں کہ جس پر آجکل آپ صاحبان عمل پیرا ہیں۔ کیا ایسے غیر احمدیوں کو جو ہمیں صریحاً کافر نہ کہتے ہوں آپ صاحبان مسلمان نہیں کہتے۔ کیا جناب ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب نے المشیر کے اعتراض کے جواب میں پیسہ اخبار میں شائع نہیں کیا تھا کہ نماز کی ممانعت ضرورت وقتی کی وجہ سے حضرت میرزا صاحب نے کی کہ جماعت احمدیہ کم تھی اور دوسروں کی مسجدوں میں جانے سے دنگہ فساد کا اندیشہ تھا اور اب وہ ضرورت رفع ہو گئی ہے۔ (اور یہ وہ مضمون ہے جس کی بناء پر حضرت میاں صاحب کو یہ خطرہ لاحق ہوا تھا کہ اب تو یہ لوگ اس حد کو توڑنے پر آتر آئے ہیں جو کہ حضرت مسیح موعودؑ نے خداوند تعالیٰ کے ارشاد کے

ماتحت قائم کی تھی اور پھر خواجہ صاحب کے مضمون کے مقابلہ میں مضمون لکھا) جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موقعہ مناسب کا انتظار ہے۔ اور کیا بہت سے لوگ آپ کے ہمراہیوں سے غیر احمدیوں کے پیچھے نمازیں نہیں پڑھتے رہتے۔ اور کیا جناب نے اپنے رسالہ کفر و اسلام میں (جو حضرت خلیفۃ المسیح اول کی وفات کے بعد تھوڑے ہی سے دنوں میں شائع کیا تھا) اس کی صاف تصریح نہیں کی کہ "اسلام مان لینے اور کفر انکار کا نام ہے۔ اسلام کی بڑی اور آخری حد بندی توحید الٰہی ہے۔ پس جو شخص توحید الٰہی کا قائل ہوتا ہے وہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے ..... دائرہ اسلام سے اس وقت تک خارج نہیں ہوتا جبتک کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا انکار نہ کرے" کیا اس عبارت سے صاف اور واضح طور پر یہ ثابت نہیں کہ کوئی سب انبیاءؑ سے بھی منکر ہو تب بھی جبتک وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا منکر نہ ہو وہ کافر نہیں ہوتا بلکہ مسلم ہی رہتا ہے ہاں جب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا انکار کرے تو پھر وہ مسلم نہیں رہتا بلکہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور کیا اسلامک ریویو الوطن والی تجویز پر عمل پیرا نہیں ہے کیا اس میں خدا کے فرستادہ مسیح موعود مہدی معہود کے متعلق ابحاث اور تذکرہ ہوتا ہے۔ اور کیا خواجہ صاحب نے آج کے دن تک کسی عیسائی کو سوائے موٹے موٹے اصول اسلام کے کبھی احمدیت کی بھی تبلیغ کی ہے؟

مولٰنا اب خدا کے لئے ٹھنڈے دل کے ساتھ (اور اس بات کو ذہن میں مستحضر کر کے کہ ایک وقت علیم و خبیر خدا کے سامنے تصفیہ کے لئے ضرور ہی پیش ہونا ہے۔ اور باتیں بنانا وہاں پر کچھ کام نہیں آئیگا) اس بات کو بھی سوچیں کہ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کا ان امور کی نسبت کیا کچھ عملدرآمد تھا اور سلسلہ وار ہر ایک امر پر نظر ڈالیں۔ کیا امر اول کی نسبت سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے عبدالحکیم والے سلسلہ خطوط میں سے تیسرے خط میں یہ نہیں لکھا "بہرحال جبکہ خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول

نہیں کیا ہے وہ مسلمان نہیں ہے اور خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔ تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اب میں ایک شخص کے کہنے سے جس کا دل ہزاروں تاریکیوں میں مبتلا ہے خدا کے حکم کو چھوڑ دوں۔ اس سے سہل تر یہ بات ہے کہ ایسے شخص کو اپنی جماعت میں سے خارج کر دیا جائے۔ اس لئے میں آج کی تاریخ سے آپکو اپنی جماعت سے خارج کرتا ہوں "۔ اور کیا اس عبارت سے صاف اور کھلے الفاظ میں یہ بات بیان نہیں فرمائی کہ اس کو جماعت سے خارج کرنیکا موجب اس کا اس خدائی اظہار کے خلاف کہنا اور اس پر اصرار کرنا ہے۔ بلکہ حضورؑ نے دوسرے خط کی پہلی ہی سطر میں فرمایا ہے کہ اس خط کے پڑھنے سے صرف یہی معلوم نہیں ہوتا کہ آپ ہمارے اس سلسلہ سے خارج ہیں بلکہ الخ "، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس خدائی اظہار کے خلاف اصرار کرنے سے خود خارج ہو چکا ہے ؛

اور کیا نماز کی نسبت سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ تم پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر یا مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔

جس میں قطعاً کسی ضرورت وقتی یا غیر وقتی کے ساتھ اس حرمت کو معلق اور مشروط نہیں فرمایا۔ اور کیا امر سوم کی نسبت حضرت مسیح موعودؑ نے عبدالحکیم والے سلسلۂ خطوط میں سے خط ع۲ میں یہ نہیں لکھا کہ "اس خط کے پڑھنے سے صرف یہی معلوم نہیں ہوتا کہ آپ ہمارے اس سلسلہ سے خارج ہیں بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ دین اسلام سے ہی منہ پھیر رہے ہیں..... (کیونکہ) آپکے قول کے موافق مومن بننے کے لئے آنحضرتؐ پر ایمان لانا شرط نہیں ہے "۔ اور کیا تبلیغی رسالہ ریویو کی نسبت جو تجویز آپ صاحبان نے الوطن کے اڈیٹر کے ساتھ کی تھی جسکی نسبت معاہدہ ہو چکا تھا حضرت مسیح موعودؑ نے بڑی سختی کے ساتھ اس کو رد نہیں کیا تھا اور کیا اس کی تردید کے متعلق حضورؑ نے آپکے خط بنام خواجہ صاحب نہیں لکھوایا تھا اور کیا اسی تجویز پر اصرار کے باعث ایک ڈاکٹر کا بیڑا غرق

نہیں ہوا تھا ؛

اور پھر کیا سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے سارے زمانہ میں کوئی عیسائی ہندو۔ سکھ ایسا مسلمان کیا تھا جس کو عین اسلام لانیکے وقت ہی احمدی نہ بنایا ہو۔ یا کیا کبھی آپ نے خدا کے مسیحؑ کو اس سے خوش ہوتا ہوا دیکھا تھا کہ فلاں نے فلاں غیر مذہب اسلام کے شخص کو مسلمان کیا ہے مگر احمدی نہیں بنایا ؛

مولٰنا خدا کے لئے سوچیں کہ خدا کے فرستادہ کے عمل و درآمد کے خلاف چلنا ایک احمدی کی شان سے ہو سکتا ہے۔ اور جس امر کو وہ خدا کے حکم سے حرام قطعی قرار دے اس کو حلال قرار دینے والے کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے اور جس شخص کو وہ ایک کام سے منع فرمائے تو اس کے وصال کے بعد ...... اسی کام کا کرنا اور اس کو عمدہ اور بہتر خیال کرنا اس کی برگشتگی کا بیّن نشان نہیں۔ اور پھر خدا کے لئے سوچیں کہ جب عبد الحکیم کو ایک امر کے باعث آپنے اپنی جماعت سے خارج کر دیا اور دوسری وجہ سے اسلام سے مُنہ پھیر نیوالا قرار دیا تو کیا اگر دوسرا کوئی شخص وہی دو امر اختیار کرے تو کیا اسپر وہی دو فتوے عائد نہیں ہونگے ؛

مولٰنا ایک اُستاد یا چند دوستوں کی وجہ سے اس پیارے مسیحؑ ہاں جان سے پیارے کو چھوڑنا کسی طرح دنیا اور آخرت میں بابرکت نہیں ہو سکتا۔ مولٰنا غور تو فرمائیں کہ یہ کس قدر بے وفائی ہے کہ اپنے محسن کی آنکھ بند کرتے ہی اس کے منشاء کے خلاف اور اس کی اولاد کے خلاف کارروائی شروع کیجائے۔ مولٰنا آپ غور تو فرمائیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے آپ پر کیا کچھ احسان کیئے بلکہ یہ ساری عزت آپ ہی کی وجہ سے آپکو حاصل ہوئی۔ اور انبیاء اور رسلؑ کا ہمیشہ یہی طریق رہا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنا ایک طریق اور دستور اور سُنت قائم کرتے ہیں۔ اور جو انکے وقت کے انکے اتباع اور اصحاب ہوتے ہیں انکی نسبت انکو امید ہوتی ہے کہ ہمارے بعد یہ لوگ اس ہمارے طریق اور سُنت کو قائم رکھیں گے۔

پھر جس قدر ان کے وقت میں ان کے اصحاب سے زیادہ احسان یافتہ اور مقرب اور معزز اور باثر ہوتے ہیں اسی قدر ان کو ان کی نسبت زیادہ امید ہوتی ہے۔ اور ان اصحاب کا بھی ان کے ساتھ ایک رنگ کا معاہدہ ہوتا ہے کہ ہم اس طریقہ کو قائم رکھیں گے۔ پس ان کے وصال کے بعد جو ان کے اصحاب سے اس طریق کو چھوڑ کر اس کے برخلاف اور طریق جاری کریں۔ یہی نہیں کہ انہوں نے اپنی عاقبت کو تباہ کیا بلکہ انہوں نے وفا اور شرافت کا بھی خون کیا۔ صحیح بخاری کی حدیث تو جناب کو یاد ہی ہوگی کہ جس میں حضور ؐ نے فرمایا ہے کہ میں حوض کوثر پر ہونگا کہ کچھ لوگ میری طرف آئینگے اور فرشتے ان کو روکیں گے تو میں کہونگا کہ اصیحابی اصیحابی (کہ یہ میرے پیارے ساتھی ہیں) تو وہ فرشتے کہیں گے کہ انک لا تدری ما احدثوا بعدک لم یزالوا مرتدین منذ فارقتہم (آپ نہیں جانتے جو کچھ انہوں نے آپ کے بعد نیا طریق اختیار کیا تھا۔ یہ تو اسی وقت سے مرتد ہو گئے تھے جب سے کہ آپ ان سے جدا ہوئے) تو آپ فرماتے ہیں تب میں وہی کہونگا جو کہ مسیح ؑ نے کہا ہے وکنت علیہم شہیدًا مادمت فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم۔ مولٰنا آپ اچھی طرح غور فرمائیں کیا ان مذکورہ بالا امور میں خدا کے مسیح ؑ کے طریق کے خلاف طریق نہیں اختیار کیا گیا۔ کیا جب تبدیل عقائد کا الزام جناب پر قائم کیا گیا تو اس کا یہ جواب آپ نے نہیں دیا کہ میری پرانی باتوں کو کیوں یاد دلایا جاتا ہے جو صاف صاف تسلیم ہے۔ تو کیا یہ جواب خدائے ذوالجلال کی گرفت سے بچا دیگا۔ مولٰنا یہی نہیں کہ نبوت کے عقیدہ کو بدلا یا وہ امور اختیار کیے جن کی وجہ سے عبدالحکیم ڈاکٹر کو خدا کے مسیح ؑ نے اپنی جماعت سے خارج کیا اور اس کو اسلام سے روگردان بتایا تھا یا جس امر کو آپ نے بحکم خدا قطعی حرام قرار دیا تھا اس کو حلال بنانے کی سوجھی یا جو آپ کا ہمیشہ کا عمل درآمد تھا اس کے بالکل خلاف طریق اختیار کیا گیا یا جس تجویز کو آپ نے بڑی سختی کے ساتھ رد فرمایا تھا آپ کے وصال کے بعد اسی کو

اپنا معمول بہا قرار دیا گیا بلکہ اگر جناب ذرہ بھی غور فرمائیں تو خدا کے مسیحؑ کی
سب خاص چیزوں اور خاص عمل درآمد کو ترک کر دیا گیا ہے بلکہ اس کے
مٹانے کی اور اس کے بالمقابل اور کچھ قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کیا غیر احمدیوں کے ساتھ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کا عمل درآمد کسی پر
مخفی ہے۔ آپ اپنی ساری زندگی میں نہ غیروں کی کسی انجمن کے ممبر ہوئے اور نہ
ان میں سے کسی کو کسی اپنی انجمن کا ممبر بنایا اور نہ کبھی ان کو چندہ دیا اور نہ کبھی ان سے
چندہ مانگا۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ علیگڑھ میں قرآن مجید کی اشاعت کی غرض سے ایک
انجمن بنائی گئی اور وہاں کے جناب سیکرٹری صاحب نے ایک خاص خط بھیجا کہ چونکہ
آپ لوگ خادم اور ماہر قرآن مجید ہو لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اس انجمن میں
آپ صاحبان میں سے بھی کچھ شریک ہوں۔ گو باوجود جناب مولٰنا مولوی عبدالکریم
صاحب مرحوم کی کوشش کے حضورؑ نے انکار ہی فرمایا۔ پھر سر سید صاحب کے
چندہ مدرسہ مانگنے کا واقعہ تو مشہور ہی ہے یہاں تک کہ وہ ایک روپیہ تک
بھی مانگتے رہے لیکن حضورؑ نے شرکت سے انکار ہی فرمایا حالانکہ اپنا خود مدرسہ
انگریزی جاری کیا ہوا تھا۔ مگر آپ صاحبان نے کس طرح اس کو ملیامیٹ کیا ہے
خواجہ صاحب کو تو حضرت خلیفۃ المسیحؓ اول نے صاف صاف غیروں سے روپیہ
مانگنے سے منع بھی فرمایا مگر پھر بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ اچھا حوالہ بخدا۔

دوسرا خط اپنے ایک رشتہ دار کے نام
مقبرہ بہشتی کے متعلق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا خط میں نے بہت غور سے پڑھا ہے اور

چونکہ آپ کے خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اس بارہ میں دلائل نہیں بلکہ انصاف اور خدا ترسی سے فیصلہ چاہتے ہیں لہٰذا میں اس خط میں جو کچھ کہوں گا مدعیانہ رنگ میں نہیں بلکہ اس خدائے علیم و خبیر کو حاضر و ناظر جانکر جو کہ جھوٹے فریبی پر لعنت کرتا ہے اور اس کی لعنت انسان کے دونوں جہان تباہ کر دیتی ہے۔ نیز جناب کو اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ آپ کی عمر سے میری عمر کم نہیں بلکہ زائد ہے اور بوجہ گرم ملک میں رہنے اور دماغی کام کرنے کے بڑھاپا اور ضعف مجھ پر زیادہ طاری ہو گئے ہیں لہٰذا پیغام اجل جلد آجائیگا اگر مجھے جناب سے زیادہ اندیشہ نہیں لگا رہتا تو کم از کم جناب کے برابر یا قریب قریب ضرور ہی ہے۔ پس میں اس خط کو اس اندیشہ کو دماغ میں رکھتے ہوئے لکھونگا۔ سوم یہ امر بھی قابل توجہ جناب ہے کہ مجھے یہاں پر رہنے اور ان معاملات زیر بحث کے میرے سامنے ہونیکی وجہ سے بہت سی ایسی باتیں معلوم ہیں کہ جن کا آپ صاحبان کو علم نہیں۔ اور ہم کو ان کا یقینی علم ہے۔ ان تین امور کے عرض کر دینے کے بعد اصل امر کی نسبت چند ایک باتیں متفرق طور پر تمہیداً عرض کرتا ہوں:-

اوّل ۱؎ یہ کہ کسی زمین اور خطہ کے دوسرے خطہ اور زمین کے ساتھ ملحق سمجھے جانے کے لئے یہ ضروری شرط ہے کہ مالک یا محافظ اور نگہبان شخص یا جماعت ایک ہی ہو اور پھر دونوں کا احاطہ بھی ایک ہی ہو یعنی اگر اس کے ارد گرد دیوار ہے تو دونوں ایک ہی دیوار کے احاطہ میں ہوں۔ یا اگر اس کے ارد گرد باڑھ ہو تو دونوں ایک باڑ کے اندر ہوں۔ مثلاً جناب کے قبضہ میں کچھ زمین ہے تو اب ایک زمین آپ اور خریدتے ہیں تو یہ نئی زمین آپکی پرانی زمین سے ملحق ہو جائیگی لیکن اگر حاجی ...... جی کوئی نئی زمین خریدیں، تو وہ زمین آپ کی پہلی زمین سے ہرگز ملحق نہیں ہو سکتی گو آپکی زمین کی غرض بھی پیداوار ہی حاصل کرنا ہے۔ اور اگرچہ یہ زمین آپکی زمین سے بالکل قریب ہو۔ مگر آپکی زمین سے ملحق اور آپکی زمین اور آپکے حکم

میں ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح مسجد کے آگے آپ کے خاندان کا قبرستان ہے اور
اس کے اِرد گرد دیوار ہے اور اس دیوار سے باہر بھی آپکی یا آپ کے خاندان کی زمین ہے،
مگر چونکہ اس احاطہ کے اندر نہیں ہے بلکہ اس سے باہر ہے لہٰذا وہ زمین اس قبرستان
کے ساتھ ملحق نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر حاجی۔۔۔۔ جی صاحب اس باغوالے قبرستان کے
متصل زمین خرید کر علیحدہ دیوار کے اندر محاط کر کے قبرستان بنائیں تو وہ نیا قبرستان
جناب کے خاندان کے موجودہ قبرستان کے ساتھ ملحق اور اس کے حکم میں اور اسکی جزو
ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ دونوں کے مالک یا محافظ بھی جُدا جُدا ہیں اور دونوں کے
احاطے بھی جُدا جُدا ہیں۔ بس مقبرہ بہشتی میں بھی ہو بہو یہی حالت ہے۔ ایک مقبرہ بہشتی
سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنایا اس کے اِرد گرد خاص باڑ لگائی
گئی اس کی زمین کی ایک خاص صورت بنائی گئی پھر آپ نے اجازت دی کہ اور زمین خرید کر
اس کے ساتھ ملحق کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جس انجمن کے قبضہ میں یہ مقبرہ ہے اس نے اور
زمین خرید کر اس مقبرہ کے ساتھ ملحق کی اور درمیان سے باڑ اُٹھا کر نئی خرید کردہ زمین
کو پہلے مقبرہ کے ساتھ ملا کر اس کے باہر باڑ لگا دی یہاں تک مقبرہ اور یہ نئی زمین ملکر
ایک باڑ کے اندر محاط ہو گئی۔ پھر ایک ایسی جماعت نے جس کے قبضہ میں نہ وہ پہلا
حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا مقبرہ ہے اور نہ نئی خرید کردہ پُر اسنے مقبرہ کی زمین اس کے قبضہ
میں ہے وہ مقبرہ مذکور کے قریب ایک زمین مقبرہ کے لئے خریدتی ہے اور پھر مقبرہ
بہشتی اور اس کی ملحقہ زمین سے علاحدہ اس زمین کے اِرد گرد باڑ لگاتی ہے۔ یہاں
تک کہ وہ زمین اور زمین مقبرہ جُدا جدا دو علٰحدہ احاطے ہیں پس یہ علیحدہ احاطہ جو
کہ ایسی جماعت کے قبضہ میں ہے جس کے قبضہ میں حضرت مسیح موعودؑ والا مقبرہ
اور اس کی ملحقہ زمین نہیں یہ شرعاً اور عرفاً اور قانوناً ہرگز ہرگز مقبرہ بہشتی سے ملحق
اور جزو اور اس کے حکم میں نہیں۔ یہ بالکل صاف اور واضح بات ہے۔ بلکہ غور کیا جائے
تو اس کی صورت قریباً ایسی ہے کہ مقبرہِ بہشتی کے متصل اِرد گرد بعض احمدیوں کی

زمینیں ہیں تو وہ احمدی اپنی اپنی زمینوں کو محض مقبرہ کے قرب و اتصال کی وجہ سے مقبرہ بہشتی قرار دے لیں تو اس سے وہ زمینیں ہرگز مقبرہ بہشتی نہیں قرار پائینگی ؛

یہی وجہ ہے کہ اس نئے مقبرہ کے بنانیوالوں کا اپنا عمل اور قول صاف صاف بتاتا ہے کہ اُن کو خود اس کے مقبرہ بہشتی ہونے پر قطعاً یقین نہیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب یہ زمین لی گئی اور اُس وقت جناب مولوی صدرالدین صاحب سیالکوٹی یہاں پر ہی ابھی رہتے تھے تو ایک شخص نے ایک مجمع میں مولوی صاحب موصوف سے دریافت کیا کہ یہ مقبرہ کس کے لئے بنایا گیا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ الووؤں کے لئے (جس کا مطلب صاف ہے کہ مقبرہ بہشتی تو نہیں مگر بیوقوف لوگوں کے پھنسانے اور ان سے اموال وصایا حاصل کرنیکے لئے ایک حیلہ بنایا ہے) پھر اگر انکو یقین ہوتا تو اس عرصۂ دراز میں ایک میّت بھی تو وہاں پر دفن کرتے یا کم از کم کوشش ہی کرتے یا کوئی اظہار شوق بھی تو کرتا۔ پھر جو اس کے بانی ہیں ان میں سے جس نے بھی وصیّت اس مقبرہ کے لئے کی ہے تو عجیب چالاکی سے کی ہے جس سے لوگوں کو تو یہ معلوم ہو کہ اس نے انجمن احمدیہ اشاعت اسلام کے لئے وصیّت کی لیکن حقیقت میں اپنے بچوں کے لئے کی ہے مثلاً سب سے پہلے جناب خواجہ صاحب نے اپنی وصیّت شائع کی ہے تو اس کو پڑھکر دیکھ لو کہ پہلے تو اسی انجمن کے لئے کی ہے مگر شرط یہ کی ہے کہ یہ مسلم ریویو پر صرف ہو اور مسلم ریویو میری ملکیّت ہے اور میرے بعد میرا بیٹا اس پر قابض ہوگا اور اسی طرح اشاعت اسلام یورپ یا لنڈن کا فنڈ بھی۔ پس یہ وصیّت بظاہر انجمن اور حقیقت میں اپنے بیٹے اور پھر پوتے کے لئے کی گئی ہے جو پہلے ہی سے گذر گئے اب البتہ دوسرا یا اس کا کوئی جانشین قابض ہوگا ؛

الغرض جب تک اس احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے قبضہ میں حضرت مسیح موعودؑ والا مقبرہ بہشتی نہیں اور پھر جبتک یہ نیا مقبرہ ایک باڑہ کہ اندر مسیح موعودؑ کے

مقبرہ بہشتی کے ساتھ ملحق نہ ہو تب تک ہرگز ہرگز کسی طرح یہ مقبرہ بہشتی نہ ہو سکتا ہے
اور نہ کہلا سکتا ہے اور نہ کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ بلکہ ابھی تو وہ مقبرہ بھی
نہیں کہلا سکتا چہ جائیکہ وہ مقبرہ بہشتی کہلائے کیونکہ اس میں یا بالفظ دیگر اس کے
احاطے میں کوئی ایک قبر بھی نہیں اور مقبرہ وہی ہوتا ہے جس میں قبر بھی ہو ہاں جس
طرح پیٹ کے اندر کے بچے کی نسبت امید ہوتی ہے کہ کبھی مرد یا باپ ہو جائیگا گو یہ بھی
احتمال ہے کہ باپ یا مرد بننے سے پہلے ہی اس جہان کو روانہ ہو جائے اسی طرح اس خطہ
زمین کی نسبت بھی مالکوں کو امید ہے کہ کبھی مقبرہ ہو جائیگا۔ گو یہ بھی ممکن یا اغلب
ہے کہ یہ کبھی بھی مقبرہ نہ بنے۔ اور پہلے مقبرہ بنے تو پھر بہشتی بننے کی نوبت آئے یا
نہ آئے اور بقول جناب مولوی صدر الدین صاحب انہیں کا مقبرہ رہے ؛

دوم :- پھر یہ بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے الوصیت میں تین
دفعہ دعا کی ہے کہ اس جگہ میں پاک لوگوں کی قبریں بنا۔ چنانچہ تیسری دعا کی عبارت یہ ہے
"پھر میں تیسری دفعہ دعا کرتا ہوں کہ اے میرے قادر کریم! اے خدائے غفور
و رحیم تو صرف ان لوگوں کو اس جگہ قبروں کی جگہ دے جو تیرے اس فرستادہ پر سچا
ایمان رکھتے ہیں اور کوئی نفاق اور غرض نفسانی اور بدظنی اپنے اندر نہیں رکھتے اور
جیسا کہ حق اطاعت کا ہے بجا لاتے ہیں اور تیرے لئے اور تیری راہ میں اپنے دلوں
میں جان فدا کر چکے ہیں اور جن سے تو راضی ہے اور جن کو تو جانتا ہے کہ وہ بکلی تیری
محبت میں کھوئے گئے اور تیری اور تیرے فرستادہ سے وفاداری اور پورے
ادب اور انشراحی ایمان کے ساتھ محبت اور جانفشانی کا تعلق رکھتے ہیں۔ آمین
یا رب العالمین" پھر خدا کے مسیح نے الوصیت میں یہ بھی لکھا ہے کہ "تب مجھے
سنایا گیا کہ یہ تیری قبر ہے اور ایک جگہ مجھے دکھلائی گئی اور اس کا نام بہشتی مقبرہ رکھا گیا
اور ظاہر کیا گیا کہ وہ ان برگزیدہ جماعت کے لوگوں کی قبریں ہیں جو بہشتی ہیں"
ان عبارات سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انجمن

والے لوگ کثرت کے ساتھ اس طویل عرصہ میں اس بہشتی مقبرہ میں دفن ہو چکے ہیں اور ان عبارات کے مطابق وہ برگزیدہ جماعت اور سچا ایمان رکھنے والے اور نفاق اور غرض نفسانی سے پاک اور خدا کے فرستادہ سے وفاداری اور پورے ادب سے محبت رکھنے والے قرار پا چکے جن سے خدا راضی ہے ؎

اور دوسری انجمن جب سے بنی ہے تب سے اس کے لوگوں سے ایک بھی اس بہشتی مقبرہ میں دفن ہونا نہیں پایا۔ پس یہ واقعات ہیں جو انجمن کا بھی فیصلہ کر دیتے ہیں کہ کونسی انجمن حق پر ہے ؎

پھر یہ بھی جناب کی توجہ کے قابل ہے کہ باہر رہنے والے احباب کو انجمن کی اصلیت کا علم نہیں اور ہمارے سامنے چونکہ اس کی بنیاد رکھی گئی ہے اور ہمارے سامنے اس میں اور آمیزشیں ارادۃً کی گئی ہیں پھر جو حالت اس کی ابتدا سے اب تک ہوئی ہے ہم نے اسکو دیکھا ہے لہذا ہمیں اس کا بخوبی علم ہے۔ اس وجہ سے میں انجمن کا کچھ حال بیان کرتا ہوں اور جو بیان کرونگا وہ حلفیہ بطور شہادت بیان کرونگا نہ رجماً بالغیب اور نہ درایت و استنباط کے طور پر۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے جب مقبرہ بہشتی کی بُنیاد ڈالی اور اسکے واسطے وصیت حصہ دہم اور چندہ سرٹیفکیٹ وغیرہ مقرر فرمایا تو ان اموال کو پہلے حضرت مولوی صاحب کے سپرد کیا اور لکھا کہ پھر ایک انجمن کے سپرد ہوں جسکا نام انجمن کارپرداز مقبرہ بہشتی ہو سو اسکے پاس یہ مال جمع ہوں اور وہ حسب ہدایت فلاں فلاں مصرف پر ان اموال کو صرف کرے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے وہ انجمن بنائی۔ اور چند ممبروں کا نام خود تجویز فرمایا اور حضرت مولوی صاحب کو اس کا پریزیڈنٹ قرار دیا اور فرمایا کہ کل ممبر چالیس ہوں اور حضرت مولوی صاحب کے ووٹ چالیس ممبروں کے برابر ہوں)۔ اور باقی ممبروں کے نام پیش کرنے کا حکم جناب خواجہ صاحب کو دیا مگر خواجہ صاحب نے کہا کہ حضور ہونا تو ایسا ہی چاہئیے مگر ابتدا میں زیادہ ممبر ہوں تو نزاع اور جھگڑا زیادہ ہوتا ہے اور کام نہیں ہوتا لہذا فلاں فلاں انکے

ساتھ ملا کر ۱۴ ہوتے ہیں اور بھی کافی ہیں اور مولویصاحب پریذیڈنٹ ہیں اور
پریذیڈنٹ کے ووٹ زائد ہوا ہی کرتے ہیں اور اگر نہ بھی ہوں تو بھی آپکے حکم کا
خلاف کس نے کرنا ہے ہوتا تو وہی ہے جو مولویصاحبنے فرمانا ہے تو اس پر حضرت
صاحب خاموش ہو گئے۔ پس یہ انجمن ہے جو کہ حضرت مسیح موعودؑ نے بنائی جس کا
کام فقط اس قدر حضرت صاحبنے بتایا اور مقرر فرمایا ہے کہ مقبرہ بہشتی کے اموال
کی حفاظت کرے اور حسب ہدایت قوم (یا نائب قوم) مقررشدہ مصارف پر صرف
کرے۔ اور بس اس کے سپرد یہ نہیں تھا کہ وہ قوم پر حکمران ہو یا قوم سے کوئی اور چندے
وصول کرے یا قوم کی تعلیم کے لئے کوئی مدارس کھولے یا انکا انتظام کرے وغیرہ ذالک۔
ہاں جو کام اسکے سپرد ہوا اسمیں اور فقط اسی میں وہ خدا کے فرستادہ اور اسکے جانشینوں
کی قائم مقام اور خلیفہ اور جانشین ہے اور اس میں صرف اس میں اس کا اجتہاد کافی
ہے نہ اور کاموں میں جو کہ اس کے سپرد اور احاطۂ اختیار ہی میں نہیں دیئے گئے۔
خدا کے مسیح نے تو یہ مقبرہ بہشتی اور یہ انجمن کارپردازان مقبرہ بہشتی بنائے مگر میں
جناب کو اپنا چشم دید ایک نظارہ بتاتا ہوں جو وہ یہ ہے کہ خواجہ صاحب جناب
مولوی محمد علیصاحب کے پاس انکے حجرہ میں بیٹھے ہوئے بار بار اپنی ران پر ہاتھ مارتے
اور مولوی صاحب کو (جو کچھ لکھ رہے تھے) یہ کہتے کہ مولویصاحب آپکو مزا نہیں آیا
میرزا نے تو ایک قلم کے ساتھ آپکی سلطنت بنادی ہے کیونکہ اگر ایک زمین دار
کے دس بیٹے احمدی ہوں تو اتنے سال میں اس کی ساری زمین اور سب جائداد
آپکی ملکیت اس ذریعہ سے ہو جائیگی مگر سلطنت بھی ایسی کہ سب زمین کی مالک نہ کہ
اوروں کی طرح غیر مالک۔ مگر یہ کام اب آپکا ہے کہ اسکو ابھی سے شخصی ہونے سے
بچالو اور جمہوری بنالو۔ اور بارہا اسکے دوہرانے کے بعد آپنے جمہوریت کا یہ
ڈھانچہ بیان کیا کہ آپ ایک تو صدر انجمن احمدیہ بنائیں جس کا ہر ممبر ایک احمدی
ہو اور پھر ایک انجمن معتمدین بنائیں جو بمنزلہ سب احمدیوں یا بلفظ دیگر صدر انجمن کی

قائم مقام اور نائب اور معتمد علیہا ہو اور پھر کہا کہ یہ تو بنی بنائی ہی ہے کیونکہ جو انجمن مقبرہ بہشتی کی حضرت صاحب نے بنائی ہے اسی کا نام آپ معتمدین رکھ لیں تو ساتھ ہی یہ فائدہ ہو جائیگا کہ لوگ اس معتمدین کو حضرت صاحب کی یقین کرینگے اور پھر آپکے احکام میں کوئی چون چرا نہ کر سکیگا۔ چنانچہ یہ تو اسی وقت ہوگیا اور اس حجرہ کے اندر ہی ہوگیا۔ حالانکہ جمہوریت کی بناء ہی انتخابات پر ہے۔ مگر ابھی خطرے باقی تھے اوّل یہ کہ اسوقت تو ہم خود ہی اس معتمدین کے بلا انتخاب قوم ممبر بنگئے ہیں مگر ہو سکتا ہے کہ کل قوم اپنے حق انتخاب کا دعویٰ کرے اور پھر ہماری جگہ اور ممبر انتخاب کرے اور یہ سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے۔ تو اس خطرہ کے رفع کرنے کے لئے یہ کیا کہ موجودہ ممبر جو ہیں یہ لائف ممبر ہیں (گو جمہوریت میں کبھی یہ ابتدا سے ابتک نہ ہوا ہو۔ اور دوسرا خطرہ یہ تھا کہ آیندہ اس انجمن ہی کو کوئی توڑ دے تو پھر لائف ممبری بھی کچھ کام نہیں دیگی۔ تو اس کے دفعیہ کے لئے بہت کچھ وقت اور دماغ صرف کیا گیا مگر بجز اس کے اور کچھ ہاتھ نہ آیا کہ اسکو رجسٹرڈ کرایا جائے۔ انہی دنوں میں یہ بھی ہوگیا۔ پس یہ ایک نہایت ہشیاری کی تبدیلی تھی جس سے قوم ابتک دھوکا میں ہے مگر خدا کے فضل سے ہمکو علم ہے جن کے سامنے مشورے ہوئے اور پھر اس کی بناء ڈالی گئی +

پھر باوجود ان سب باتوں کے اس انجمن کے سب احکام پر حضرت مسیح موعودؑ کا حکم مقدم مانا جا چکا تھا اور یہ اس انجمن کے اصول میں رکھا گیا تھا۔ اور حضورؑ کے زمانے میں اسی پر عمل درآمد بھی رہا۔ پھر جب حضرت مسیح موعودؑ کا رفیق اعلیٰ سے وصال ہوا۔ اور حضرت مولویصاحب کی بیعت ہوئی تو اسی انجمن کے ممبروں نے اشتہار دیا کہ حضرت مولوی صاحب خلیفہ مقرر ہوئے ہیں اور جو یہاں پر موجود تھے انہوں نے انکی بیعت کر لی ہے آپ بھی کریں اور آپکا حکم ہمارے لئے حضرت مسیح موعودؑ کے حکم کی بجائے ہوگا الخ اور پھر جب تک حضرت مولویصاحب زندہ رہے تب تک

اسی پر عمل رہا کہ حضرت مولویصاحب نے جو حکم دیا انجمن کو اُس کی تعمیل کرنی پڑی طوعاً بھی اور کرہاً بھی۔ ہاں اس میں بھی شک نہیں کہ انجمن نہیں بلکہ ممبروں میں یہ بات ناپسند تھی کہ مولویصاحب کے حکم کو کیوں مقدم کیا جائے۔ چنانچہ حضرت مولویصاحب کے خلیفہ ہونے کے چند ہی دن بعد خواجہ صاحب نے بموجودگی چند دیگر ممبران حضرت میاں محمود احمد صاحب کو کہا تھا کہ یہ غلطی تو ہو گئی کہ ہم نے خلیفہ مقرر کر دیا اور اب اُس کی اصلاح بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ اس کے اختیارات کو محدود کیا جائے۔ مگر میاں صاحب نے جواب دیا کہ جو بیع ہو چکے ہوں انکے اختیار سے باہر ہے کہ جس کے ہاتھ پر وہ بیع ہوئے ہیں اس کے اختیارات کی حد بست کریں۔ مگر یہ ان کے دل ہی میں رہی انجمن میں وہ اس پر عمل نہیں کر سکتے تھے ؛

پس میں یقین رکھتا ہوں کہ جناب اگر ان دونوں انجمنوں پر ان حالات کی روشنی میں نظر کرینگے تو جناب کو ضرور قادیانی انجمن کی حقانیت کا بھی پتہ لگ جائیگا۔ اور اس کے علاوہ یہ بھی ضروری معلوم ہو جائیگا کہ جمہوریت کا محض نام ہی نام ہے ورنہ جمہوریت کے لئے انتخاب قومی ضروری ہے جو مفقود ہے۔ اور لائف ممبری بھی جمہوریت کی بیخ کنی ہے۔ اور ولایت کی پارلیمنٹیں جو کہ جمہوریت کی اعلیٰ نمونہ ہیں انکے فیصلہ کو بھی بادشاہ رڈ کر سکتا ہے۔ روک سکتا ہے۔ ملتوی کر سکتا ہے۔ بلکہ بادشاہ تو درکنار امریکہ کا پریزیڈیٹ بھی پارلیمنٹ کے فیصلہ کو ملتوی کر سکتا ہے۔ چنانچہ وہاں کی پارلیمنٹ نے ایک دفعہ فیصلہ کیا تھا کہ ایک سے زیادہ بیبیوں والا امریکہ میں نہیں رہ سکتا ہے۔ مگر پریزیڈنٹ نے اس کو نامنظور کیا تو فیصلہ ردّ ہو گیا۔ اور پھر اس قدر ادب کا لحاظ ہے کہ باوجودیکہ پریزیڈنٹ بہت جلد بدلکر اور آجاتا ہے مگر پھر بھی پارلیمنٹ ردّ شدہ فیصلہ کو دوبارہ جلد نہیں پیش کرتی بلکہ اس کے واسطے بہت طویل زمانہ مقرر کر دیا ہوا ہے جس میں قریباً ذہنوں سے وہ نسیاً منسیا ہی ہو جاتا ہے گو کاغذات میں وہ باقی ہی ہو ؛

تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ انجمن ناقابل اعتبار ہو جائے جو کہ اپنے خلیفہ کو مطاع اور اس کے حکم کو واجب الاتباع قرار دیتی ہو۔ کیا یہ کسی شریعت کا مسئلہ ہے یا کوئی قومی یا عوام عرف کا قانون ہے۔ ہم کو تو آج دن تک اس کا پتہ نہیں چلا۔ اور نہ یہ ہے کہ اس واجب الاتباع ہونے سے پھر انجمن تو کچھ کر ہی نہیں سکتی بلکہ جو فیصلہ کرتی ہے خلیفہ اس کو رد کر دیتا ہے یا خلیفہ ہر ایک فیصلہ میں دخل دیتا رہتا ہے بلکہ اس طویل عرصہ میں محض تحلۃ الیمین کے برابر کوئی ایسا ہو تو ہو ورنہ براہ راست یہ انجمن ہزاروں فیصلے کر چکی ہے ۔

بلکہ حق تو یہ ہے کہ یہ تو اس انجمن کی ایک خوبی ہے، اس لئے کہ جن انجمنوں کا کوئی واجب الاتباع مطاع نہیں وہ بے مادر و پدر آزاد کی طرح سب بے خوف و بے خطر اپنے جوش اور خواہش کے جذبات کے مطابق جائز و ناجائز کر گذرتی ہیں۔ مثلاً ایک ماتحت نے جب اپنی حق تلفی کو دیکھکر انجمن یا اس کے سب یا اکثر ممبروں کی نسبت غصہ اور جوش دلانیوالے الفاظ استعمال کیے ہوں تو ایسی انجمن یا اس کے اکثر ممبر اس جذبہ جوشش اور غلبۂ غصہ سے اس ماتحت کے حق میں ایسا فیصلہ کر سکتی ہے جو کہ ظلم کے مرادف ہو کیونکہ وہ جانتی ہے کہ میرا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں ہے برخلاف اس انجمن کے جس کے سر پر ایک واجب الاتباع مطاع ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ میں اگر ایسا کرونگی تو او پر باز پرس کرنے والا موجود ہے جو ہمارے فیصلہ کو ہی رد کر کے ظلم کے بجائے عدل و انصاف کریگا۔ پس یہ ایسا ہی ہے جیسا کسی نے ناکو نا کو کہہ کر ناک کا عیب ظاہر کیا تھا۔ جو کہ حقیقت میں بڑی خوبی ہے مگر دشمن بجائے اس کے کمیر بتائے ذکر یہ مطاع وہ ہے۔ جس کے علم دنیا و علم دین اور تقویٰ اور تعلق باخدا کی وجہ سے باوجود اس کے نوجوان اور کم عمر ہونیکے قوم کے ہر قسم کے علماء نے اور باخدا لوگوں نے پہلے سے اسپر نظر رکھی ہوئی تھی۔ کہ کسی وقت سارے افراد قوم کی نسبت یہی اس قابل ہو گا۔ کہ ہم اس کے ہاتھ پر

ہیع موں اور جو کائل طور پر انجمن کے کاموں میں دخل تو نہیں دیتا مگر اس کے مراقبہ اور
مواخذہ کے خوف سے انجمن انصاف سے ادھر اُدھر نہیں ہو سکتی) یہ بیان کرتا ہے
کہ ایک ضدی خود غرض اور نفس پرست مطلع انجمن ہے جو کہ انجمن کو ایک فیصلہ بھی
نہیں کرنے دیتا بلکہ ہر ایک فیصلہ اپنے منشاء کے مطابق کراتا ہے۔ سننے والے
بزرگ سنانے والوں کی شخصیت سے متاثر ہو کر آمنا و صدقنا کہدیتے ہیں۔
پھر تو یہی ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں یہ انجمن کالعدم معلوم دیتی ہے اور بس۔ لیکن
خدا جانتا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے کہ محض صاحبزادہ ہونے کی وجہ سے ہم نے
اس کو خلیفہ منتخب کیا اور بیعت کی بلکہ اس کو سب سے زیادہ اعلم اور اتقیٰ اور اخشیٰ اور
باخدا یقین کرنے کے بعد اور پھر سینکڑے خوابوں اور الہاموں کے ساتھ اسکے
مؤید ہونے کے بعد اسکو اس درجہ کے لئے منتخب کیا گیا ہے اور پھر اس نے انجمن
کو اس قدر آزاد رکھا ہے کہ میں جناب کو بطور حلفیہ شہادت کے بتاتا ہوں
کہ گذشتہ سال اس انجمن کا میں ہی سیکرٹری تھا اور بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ
بعض امور ایسے انجمن میں تھے کہ جن میں احتمال تھا کہ انجمن اگر فلاں فیصلہ کرے
تو حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کے مقاصد یا منشاء کے خلاف ہوگا تو احتیاطاً
میں نے ان امور کو حضور کی خدمت میں پیش کیا لیکن حضور نے یہی فرمایا کہ میں
انجمن کے کام میں دخل نہیں دیتا یہ انجمن کا کام ہے جو وہ فیصلہ کرے وہی ہونا چاہیئے ہاں
پھر وصایا کے اموال انہی مصارف میں صرف ہو سکتے ہیں جو کہ سیدنا حضرت مسیح موعود
نے مقرر فرمائے ہوئے ہیں +

پھر بطور فرض محال عرض کرتا ہوں کہ اس میں تو شک نہیں کہ وہ مقبرہ بہشتی
یہی ہے جس میں خدا کا مسیحؑ مدفون ہے خواہ قابض اور نگران انجمن خراب اور
بُری بھی ہو جائے۔ اور جو لوگ اس مقبرہ میں دفن ہونے کے لئے وصایا کرتے
ہیں وہ الوصیت کی تحریرات کے مطابق بہشتی قرار پائینگے خواہ انجمن کیسی ہی

خراب نہ ہوجائے نعوذ باللہ من ذالک۔ اور اس خرابی کی سزا انجمن کو ہوگی نہ وصیت کرنے والوں کو۔ پس انجمن کے خراب ہونے سے وصیّت کرنے والے کو کچھ نقصان لاحق ہونے کا اندیشہ نہیں ہے اور دوسری انجمن کی وہ زمین جو کہ علیحدہ احاطہ میں محاط ہے اور جس میں اب تک ایک قبر بھی نہیں اور جس کے قابضوں کے قبضہ میں مسیح موعودؑ والا مقبرہ بہشتی نہیں ہے سو اس کے مقبرہ بہشتی نہ ہونے میں شک نہیں۔ اور بفرض محال ہو بھی تو پھر مجرد احتمال ہی ہے اور ہو سکتا ہے کہ حقیقت میں نہ ہو۔ تو اس حالت میں گو اس کی قابض انجمن بہت ہی عمدہ کیوں نہ ہو اس کا عمدہ ہونا اس کی اس زمین کے لئے وصیت کرنے والے کو بہشتی نہیں قرار دے سکتا ہے۔ پس یہ ایسا بیّن فرق ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ایک عقلمند اور سوچنے سمجھنے والے سے بعید ہے کہ وہ خدا کے مسیحؑ والے مقبرہ کو چھوڑ کر اس دوسری انجمن کی مذکورہ بالا زمین کے لئے وصیت کرنے پر آمادہ ہوجائے۔

اس کے بعد میں حلفیہ شہادت کے طور پر اپنا عقیدہ بیان کر دیتا ہوں کہ میرے نزدیک لاہوری انجمن کی یہ زمین ہرگز ہرگز مقبرہ بہشتی نہیں اور نہ اسکے حکم میں ہے اور نہ اس میں دفن ہونے والا حضرت مسیح موعودؑ کی تحریر کی بنا پر وہ بہشتی قرار پا سکتا ہے۔ اور جو مقبرہ بہشتی قادیان میں انجمن کے ہاتھ میں ہے وہ یقینی اور قطعی طور سے بہشتی مقبرہ ہے اور اس میں دفن ہونے والا اور اسکے لئے وصیت کرنیوالا بموجب تحریرات حضرت مسیح موعودؑ بہشتی ہے۔

اس کے بعد میں اس قدر اور لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر لاہور آنیکا اتفاق ہو تو قادیان ضرور آئیں علاوہ دینی اور روحانی فائدہ کے ملاقات ہوجائیگی۔ ... ... فقط۔ والسلام

محمد سرور عفا اللہ عنہ

(ب)

19- الفارق (مبایعین کے حق پر ہونے کا ثبوت واقعات سے) — جنوری ۱۹۱۶ء

20- نبی آخر الزمان (مسیح موعودؑ) — فروری ۱۹۱۶ء

21- نبوت مسیح موعودؑ از روئے قرآن و حدیث — مئی ۱۹۱۶ء

22- غیر مبایعین سے خطاب ختم نبوت — فروری ۱۹۱۷ء

23- بیٹا یعقوب اور میں — اپریل ۱۹۱۷ء

24- ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے — مئی ۱۹۱۷ء

25- محمود خلیفہ موعود نبوت مسیح موعود سے متعلق چند اعتراضوں کا جواب — جولائی ۱۹۱۷ء

26- محمدی ختم نبوت کی اصل حقیقت (حوالجات کتب مسیح موعودؑ)

27- رسول کریمؐ کی بعثت ثانی - نومبر ۱۹۱۷ء

28- ہماری جماعت کے خوارج - فروری ۱۹۱۸ء

29- نبوت بعد آنحضرتؐ - مارچ ۱۹۱۸ء

30- چند مطالبات غیر مبایعین سے — اگست ۱۹۱۸ء

31- احمد موعود (حوالجات کتب مسیح موعودؑ) — ستمبر ۱۹۱۸ء

32- " — اکتوبر ۱۹۱۸ء

33- خاکسار اکمل کا نیاز نامہ بجواب سوالات غیر مبایعین سے — مارچ ۱۹۱۹ء

34- خلافت احمدیہ - اگست ۱۹۱۹ء

35- ختم نبوت - اکتوبر ۱۹۱۹ء

یہ رسالہ ۴؍ قیمت معرفت دفتر تشحیذ قادیان
مل سکتا ہے وی پی ۶؍ کا مع محصول ڈاک ہوگا